احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماھنامہ

انصار اللہ

ربوہ

اگست ـــــــــــ ۱۹۹۵ء

ایڈیٹر ـــــــــــ نصر اللہ خاں ناصر

ایک انقلاب !

سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں :-

"وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہوگئے اور پُشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔ اور دنیا میں یک دفعہ ایک **ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔** کچھ جانتے ہو وہ کیا تھا؟ **وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچادیا** اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ وَآلِہٖ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ وَحُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاَنْزِلْ عَلَیْہِ اَنْوَارَ رَحْمَتِکَ اِلَی الْاَبَدِ۔

(برکات الدعا۔ روحانی خزائن
جلد ۴ صـ۱۱)

احمدی انصار کی تربیت کے لئے

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

اگست ۱۹۹۵ء

ظہور ۱۳۷۴ ہش

ایڈیٹر

نصر اللہ خان ناصر

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر: قاضی منیر احمد

مطبع: ضیاء الاسلام پریس - ربوہ

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ انصار اللہ

دار الصدر جنوبی - ربوہ

اس ماہ کے شمارہ میں

جلد نمبر ــــــ ۳۶

شمارہ نمبر ــــــ ۸

شرح چندہ

پاکستان ــــــ چالیس روپے سالانہ

قیمت فی پرچہ ــــــ چار روپے

احمدی انصار کی تربیت کے لئے

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

اگست ۱۹۹۵ء

ظہور ۱۳۷۴ ہش

ایڈیٹر

نصر اللہ خان ناصر

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر: قاضی منیر احمد

مطبع: ضیاء الاسلام پریس - ربوہ

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ انصار اللہ

دار الصدر جنوبی - ربوہ

اس ماہ کے شمارہ میں

جلد نمبر ________ ۳۶

شمارہ نمبر ________ ۸

شرح چندہ

پاکستان ________ چالیس روپے سالانہ

قیمت فی پرچہ ________ چار روپے

اداریہ

۱۲ ربیع الاوّل ۔ سیّدنا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت

۱۲۔ ربیع الاوّل ۔ ایک مبارک اور مقدّس دن ہے ۔ نہ صرف سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّت کے لئے ، بلکہ ساری انسانیت اور تمام کائنات کیلئے بھی باعثِ برکت ۔ وہ اعلیٰ و ارفع وجود جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہے اس دن پیدا ہوا ۔ اور اُس کے ظہور سے سارا عالم بُقعہِ نُور بنا ۔ صدیوں کے مُردے جی اُٹھے ۔ اور اس آبِ حیات سے نئی زندگی پائی ۔ ظلمات کی وادیوں میں بھٹکے ہوئے اس آسمانی نُور سے راہ مستقیم پا گئے ۔ اس وجودِ رحمت سے مظلوم انسانیت کو جینے کا حق ملا ۔ وہ کَافَّۃً لِّلنَّاس بن کر آیا اور اقوامِ عالم کے لئے وحدت اور امن و سلامتی کا پیامبر بنا ۔ اسود و احمر کی تفریق مٹادی اور غلام و آقا ، خادم و مخدوم ، غریب اور امیر اور رعایا اور حاکم کو درسِ اخوّت و مساوات دیا ۔ اور بہت جلد دنیا میں ایک اصلاحی معاشرہ سے انقلاب برپا کر دیا ۔

۱۲۔ ربیع الاوّل ۔ بے شک مسرّت و شادمانی کا دن ہے مگر اس سے بڑھ کر تجدید عہد کا ۔ ہمیں اپنی زندگی کے ہر دن کو ۱۲۔ ربیع الاوّل بنانے کا عہد کرنا چاہیئے ۔ آئیے اس دن کے حوالے سے آقائے دوجہاں کی یاد سے قلب و رُوح کو معمور کریں ۔ اور یہ تبھی ممکن ہے کہ جب اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سامنے ہو ۔ آپؐ کی زندگی کے معمولات سے آگہی ہو ۔ آپؐ نے جس طرح حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کئے اسی کے مطابق ہم سچّی متابعت اختیار کرنے والے ہوں ۔ اس اتباع و اطاعت سے ہی ہماری اخلاقی معاشرتی اور روحانی قدریں فروغ پا سکتی ہیں ۔

اس وقت انسانی معاشرہ مشرقی ہو یا مغربی ، بہت سارے مسائل میں اُلجھا ہوا

ہے۔ انسانی حقوق کا اتلاف ہو رہا ہے۔ اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں۔ شرف انسانی، اخلاص و شرافت اور عزت و احترام عہد کہن کی باتیں سمجھی جاتی ہیں اخلاقی اقدار کے احیاء اور شرف انسانیت کے قیام کے بغیر یہ مسائل حل نہیں ہو سکتے اور نہ اس کے بغیر انفرادی اور اجتماعی زندگی کا امن و سکون بحال ہو سکتا ہے۔ ۱۲۔ ربیع الاوّل ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ایسا معاشرہ جو امن و سلامتی کا گہوارہ ہو وہ تو حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت سے قائم ہوا تھا اور آپ کے نقش قدم پر چل کر دنیا نے ایک عظیم انقلاب دیکھا تھا۔ آج بھی آپؐ کے نقوشِ پا سے ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں۔ ہر انسان اس وسیع رحمت سے فیض و برکت حاصل کر سکتا ہے۔ آپؐ کی پُر حکمت تعلیمات انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ اور ہر انسان ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنے اُلجھے ہوئے مسائل کا حل تلاش کر سکتا ہے۔ جبکہ آپ سے سچی محبت اور کامل اطاعت کرنے والا بدرجہ اولیٰ ہمدرد انسان بن سکتا ہے۔ سچی محبت و اطاعت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے آپ کو سیرتِ رسول کے سانچے میں ڈھالیں۔ آپؐ کی محبت الٰہی۔ ذکر و عبادات۔ بنی نوع انسان سے ہمدردی و شفقت۔ عجز و انکسار۔ صبر و رضا۔ عفو و درگزر۔ تحمل و بردباری۔ عدل و مساوات کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔ کیونکہ اللہ کے حضور رسائی اور محبت کا یہی ذریعہ ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:

؎ وَاللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا کَرِدَافَۃٍ　∴　وَبِہِ الْوُصُوْلُ بِسُدَّۃِ السُّلْطَانِ

خدا کی قسم بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کے) نائب کے طور پر ہیں۔ اور آپؐ کے ذریعہ سے ہی دربار شاہی میں رسائی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایک ایسے پاک معاشرہ کو تشکیل دینے کی توفیق دے۔ جہاں امن و سکینت ہو۔ محبت اور ہمدردی ہو۔ عدل و مساوات ہو۔ تا سلامًا سلامًا کا حسین منظر نظر آئے۔

امام الکلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کے اثرات

سیدنا حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ۔ فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا جس کے لوازم میں سے محبت اور تعظیم اور اطاعتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اگر کوئی گناہ کا زہر کھا چکا ہے تو محبت اور اطاعت اور پیروی کے تریاق سے اس زہر کا اثر جاتا رہتا ہے اور جس طرح بذریعہ دوا مرض سے ایک انسان پاک ہو سکتا ہے ایسا ہی ایک شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح نور ظلمت کو دور کرتا ہے اور تریاق زہر زائل کرتا ہے اور آگ جلاتی ہے۔ ایسا ہی سچی اطاعت اور محبت کا اثر ہوتا ہے۔ دیکھو آگ کیونکر ایک دم میں جلا دیتی ہے۔ پس اسی طرح پر جوش نیکی جو محض خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنے کیلئے کی جاتی ہے وہ گناہ کا خس و خاشاک بھسم کرنے کیلئے آگ کا حکم رکھتی ہے۔ جب ایک انسان سچے دل سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی تمام عظمت اور بزرگی کو مان کر پورے صدق و صفا اور محبت اور اطاعت سے آپ کی پیروی کرتا ہے یہاں تک کہ کامل اطاعت کی وجہ سے فنا کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ تب اس تعلقِ شدید کی وجہ سے جو آپؐ کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ وہ الٰہی نور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا ہے۔ اس سے یہ شخص بھی حصّہ لیتا ہے۔ تب چونکہ ظلمت اور نور کی منافات ہے وہ ظلمت جو اس کے اندر ہے دُور ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی حصّہ ظلمت کا اس کے اندر باقی نہیں رہتا۔ اور پھر اس نور سے قوّت پا کر اعلیٰ درجہ کی نیکیاں اُس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اس کے ہر عضو میں سے محبت الٰہی کا نور چمک اٹھتا ہے۔ تب اندرونی ظلمت بکلّی دور ہو جاتی ہے۔ اور علمی رنگ سے بھی اس میں نور پیدا ہو جاتا ہے اور عملی رنگ سے بھی نور پیدا ہو جاتا ہے۔ آخر ان نوروں کے اجتماع سے گناہ کی تاریکی بھی اس کے دل سے کوچ کرتی ہے..... اور اگر ایسے شخص سے اتفاقاً کوئی گناہ ظہور میں نہیں آیا تو اس کو اتباع سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آئندہ گناہ کی طاقت اس سے مسلوب ہو جاتی ہے اور نیکی کرنے کی طرف اس کو رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ آپ قرآن شریف میں فرماتا ہے حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ۔"

(ریویو آف ریلیجنز جلد نمبر ۵ صفحہ ۴۰۲)

کلام الامام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی "المصلح الموعود" فرماتے ہیں:-

"..... آپؐ کی عبادت ایک دورِ تسلسل کا رنگ رکھتی ہے کہ کچھ حصہ وقت جب عبادت میں گزارتے تو خیال کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے اس کام کی توفیق دی اس احسان کا شکر بجالانا ضروری ہے۔ اس جذبۂ ادائیگی شکر سے بے اختیار ہو کر کچھ اور عبادت کرتے اور پھر اسے بھی خدا تعالیٰ کا ایک احسان سمجھتے کہ شکر بجالانا بھی ہر ایک کا کام نہیں جب تک خدا تعالیٰ کا احسان نہ ہو پھر اور بھی زیادہ شوق کی جلوہ نمائی ہوتی اور پھر اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اور یہ راز و نیاز کا سلسلہ ایسا وسیع ہوتا کہ بارہا عبادت کرتے کرتے آپؐ کے پاؤں سوجھ جاتے .....

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں .... "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوا کرتے تو اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ آپؐ کے قدم یا (کہا) پنڈلیاں سوج جاتیں لوگ جب آپؐ سے کہتے (کہ آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں) تو آپؐ جواب دیتے کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (ترجمہ حدیث بخاری جلد ا کتاب التہجد)

اللہ اللہ کیا عشق ہے کیا محبت ہے کیا پیار ہے خدا تعالیٰ کی یاد میں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ خون کا دوران نیچے کی طرف شروع ہو جاتا ہے اور آپؐ کے پاؤں متورم ہو جاتے ہیں۔ لیکن محبت اس طرف خیال ہی جانے نہیں دیتی۔ آس پاس کے لوگ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ کہ یہ کرتے کیا ہیں۔ اور آپؐ کے درد سے تکلیف محسوس کر کے آپؐ کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ اور کیوں اپنے آپ کو اس تکلیف میں ڈالتے ہیں اور اس قدر دُکھ اٹھاتے ہیں..... مگر وہ دُکھ جو لوگوں کو بے چین کر دیتا ہے اور جس سے دیکھنے والے متاثر ہو جاتے ہیں آپؐ پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ ... اور انہیں جواب دیتے ہیں کہ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ وہ مجھ پر اس قدر احسان کرتا ہے اس قدر فضل کرتا ہے اس شفقت کے ساتھ مجھ سے پیش آتا ہے۔ پھر کیا اس کے اس حسنِ سلوک کے بدلہ میں اس کے نام کا وِرد نہ کروں۔ اس کی بندگی میں کوتاہی شروع کر دوں۔

کیا اخلاص سے بھرا ہوا اور کیسی شکر گزاری ظاہر کرنے والا یہ جواب ہے اور کس طرح آپؐ کے قلب مطہر کے جذبات کو کھول کر پیش کر دیتا ہے۔ خدا کی یاد اس کے ذکر کی یہ تڑپ اور کسی کے دل میں ہے کیا کوئی اور اس کا نمونہ پیش کر سکتا ہے....." (سیرت النبی صـ ۵۴-۵۵)

عربی منظوم کلام

لَا شَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَيْرُ الْوَرٰى

وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِيْ وَجْهِهٖ ❖ وَشُئُوْنُهٗ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ

آپ کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نمایاں ہے اور خدا کی صفات (آپ کی) اس شان سے جلوہ گر ہو گئیں

سُجُحٌ كَرِيْمٌ بَاذِلٌ خِلُّ التُّقٰى ❖ خِرْقٌ وَفَاقَ طَوَائِفَ الْفِتْيَانِ

آپ خوش خُلق، معزز، سخی، تقویٰ کے سچے دوست، فیاض اور جواں مردوں کے گروہوں پر فوقیت لے گئے ہیں

فَاقَ الْوَرٰى بِكَمَالِهٖ وَجَمَالِهٖ ❖ وَجَلَالِهٖ وَجَنَانِهِ الرَّيَّانِ

آپ ساری خلقت سے اپنے کمال اور اپنے جمال اور اپنے جلال اور اپنے شاداب دل کے ساتھ فوقیت لے گئے ہیں

لَا شَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَيْرُ الْوَرٰى ❖ رَيْقُ الْكِرَامِ وَنُخْبَةُ الْاَعْيَانِ

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر الوریٰ، معززین میں سے برگزیدہ اور سرداروں میں سے منتخب وجود ہیں

تَمَّتْ عَلَيْهِ صِفَاتُ كُلِّ مَزِيَّةٍ ❖ خُتِمَتْ بِهٖ نَعْمَاءُ كُلِّ زَمَانِ

ہر قسم کی فضیلت کی صفات آپ پر کمال کو پہنچ گئیں اور ہر زمانہ کی نعمتیں آپ پر ختم ہو گئیں ہیں

وَاللّٰهِ اِنَّ مُحَمَّدًا كَرِدَافَةٍ ❖ وَبِهِ الْوُصُوْلُ بِسُدَّةِ السُّلْطَانِ

بخدا! بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کے) نائب کے طور پر ہیں اور آپ ہی کے ذریعہ دربار شاہی میں رسائی ہو سکتی ہے

هُوَ فَخْرُ كُلِّ مُطَهَّرٍ وَّمُقَدَّسٍ ❖ وَبِهٖ يُبَاهِي الْعَسْكَرُ الرُّوْحَانِيْ

آپ ہر ایک مطہر اور مقدّس کا فخر ہیں اور روحانی لشکر آپ پر ہی ناز کرتا ہے

هُوَ خَيْرُ كُلِّ مُقَرَّبٍ مُّتَقَدِّمٍ ❖ وَالْفَضْلُ بِالْخَيْرَاتِ لَا بِزَمَانِ

آپ ہر مقرّب اور (راہ سلوک میں) آگے بڑھنے والے سے افضل ہیں اور فضیلت کارہائے خیر پر موقوف ہے نہ کہ زمانہ پر

(القصائد الاحمدیہ ص ٨-٩)

فارسی منظوم کلام

ساقیٔ من ہست آں جاں پرورے

ہم چنیں عشقم بروئے مصطفےٰ ⁘ دل پرد چوں مرغ سوئے مصطفےٰ

ایسا ہی عشق مجھے (حضرت محمدؐ) مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے میرا دل ایک پرندہ کی طرح آپ طرف اُڑا جاتا ہے

تا مرا دادند از حسنش خبر ⁘ شد دلم از عشقِ او زیروزبر

جب سے مجھے اس کے حُسن کی خبر دی گئی ہے میرا دل اس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے

منکہ می بینم رُخِ آں دلبرے ⁘ جاں فشانم گر دہد دل دیگرے

میں جو اس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں اگر کوئی اسے دل دے تو اس کے مقابلہ میں جان نثار کردوں گا

ساقیٔ من ہست آں جاں پرورے ⁘ ہر زماں مستم کند از ساغرے

وہی رُوح پرور وجود ہی تو میرا ساقی ہے جو ہمیشہ مجھے اپنے جام سے سرشار رکھتا ہے

محوِ روئے او شد است ایں روئے من ⁘ بوئے او آید ز بام و کوئے من

میرا چہرہ اس کے چہرہ میں محو و گم ہوگیا ہے اور میرے مسکن و کوچہ سے اسی کی خوشبو آرہی ہے

سر بتابد زاں مہِ من چوں منے ⁘ لعنتِ حق بر گمانِ دشمنے!

کیا میرے جیسا شخص اپنے اس چاند سے منہ پھیر سکتا ہے! دشمن کے اس خیال پر لعنت

تیغ گر بارد بکوئے آں نگار ⁘ آں منم کاوّل کند جاں را نثار

اگر اس معشوق کی گلی میں تلوار چلے تو میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان نثار کرے گا

گر ہمیں کفر است نزدکیں ورے ⁘ خوش نصیبے آں کہ چو من کافرے

اگر دشمن کے نزدیک یہی کفر ہے تو وہ بڑا خوش نصیب ہے جو میری طرح کا کافر ہے

(درثمین فارسی)

اُسوۂ حسنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سیرت

اللہ تعالیٰ سے انتہا درجہ کی محبّت

ایڈیٹر

سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہِ عاشقاں ❖ آں کہ رُوحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار
آنکہ در عشقِ احد محو و فناست ❖ ہر چہ زو آید ز ذاتِ کبریاست

(حضرت بانی سلسلہ احمدیہ)

انسان کے مقصد حیات اور مذہب کا فلسفہ و حکمت "محبت" ہے۔ اور اس محبت کا سفر وجود باری تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن کر جہاں اس کی صفات کا ہم رنگ ہونا ہے۔ وہاں خدا کی مخلوق کے لئے اپنی محبت کا اظہار بھی ہے۔ اور یہی دو محبتیں ہی انسان کی اخلاقی معاشرتی اور رُوحانی زندگی کا مرکز و محور ہیں یعنی ایک طرف محبت الٰہی اور دوسری طرف مخلوق خدا سے محبت۔ ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وجہ تخلیقِ کائنات ہیں۔ آپؐ سب سے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہیں۔ اور نہایت اعلیٰ درجہ کی صفات و کمالات کے جامع اور سرچشمہ ہیں۔ انہی صفات میں ایک محبت ہے۔ اور یہ محبت کی آگ آپ کے وجود میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپؐ کی پاکیزہ سیرت میں محبت ہی محبت نظر آتی ہے۔ آپؐ کے معمولات زندگی میں آپ کا ایک ایک لمحہ، بچپن اور جوانی بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد۔ حاکم اور محکوم کی حیثیت میں، امن اور جنگ کے دور میں آپ کی نجی اور اجتماعی زندگی میں ہر کہیں محبت الٰہی غالب نظر آتی ہے۔ آپؐ کا دل جوشِ محبت میں ایک متلاطم سمندر تھا۔ آپؐ کی سیرت کا یہ پہلو بڑا جامع اور وسیع اثرات کا حامل ہے۔ آپؐ کے اس مقام کو ہی سورہ نجم میں "قاب قوسین" کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ...... فرماتے ہیں:۔

"یہ رسولؐ خدا کی طرف چڑھا اور جہاں تک امکان میں ہے خدا سے نزدیک ہوا اور قرب کے تمام کمالات کو طے کیا اور لاہوتی مقام سے پورا حصہ لیا۔ اور پھر ناسوت کی

طرف کامل رجوع کیا۔ یعنی عبودیت کے انتہائی نقطہ تک اپنے تئیں پہنچایا۔ اور بشریت کے پاک لوازم یعنی بنی نوع کی ہمدردی سے جو ناسوتی کمال کہلاتا ہے پورا حصہ لیا۔ لہذا ایک طرف خدا کی محبت میں اور دوسری طرف بنی نوع کی محبت میں کمالِ تام تک پہنچا"۔....

(ریویو آف ریلیجنز اردو جلد اوّل ص۱۷۵-۱۸۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام محبت کے متعلق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مزید فرماتے ہیں:-

"آپؐ کی روح خدا کے آستانہ پر ایسے اخلاص سے گری تھی کہ اس میں غیر کی ایک ذرہ آمیزش نہیں رہی تھی .... اور چونکہ خدا سے محبت کرنا اور اسی کی محبت میں اعلیٰ مقامِ قرب تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے جو کسی غیر کو اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے افعال ظاہر کئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت تمام چیزوں پر خدا کو اختیار کر لیا تھا۔ اور آپؐ کے ذرّہ ذرّہ اور رگ و ریشہ میں خدا کی محبت اور خدا کی عظمت ایسی رچی ہوئی تھی کہ گویا آپؐ کا وجود خدا کی تجلیات کے پورے مشاہدہ کے لئے ایک آئینہ کی طرح تھا۔ خدا کی محبت کاملہ کے آثار جس قدر عقل سوچ سکتی ہے وہ تمام آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔" (ایضاً)

حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے وہ محبت الٰہی کہ ایک مصفّٰی آئینہ کی طرح آپ کی ذاتِ اقدس میں صفات باری تعالیٰ کا انعکاس ہوا۔ اور آپ صفات باری تعالیٰ اور انوار الٰہیہ کے مظہر اتم ٹھہرے۔ حضرت مسیح موعود.... اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں:-

۱۔ ہر رگ و تارِ وجودش خانۂ یارِ ازل ∴ ہردم و ہر ذرّہ اش پُر از جمالِ دوستدار

(آئینہ کمالات اسلام)

۲۔ زاں نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد ∴ پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم

۳۔ بوئے محبوبِ حقیقی مے دمد زاں روئے پاک ∴ ذاتِ حقانی صفاتش مظہرِ ذاتِ قدیم

(توضیح مرام)

ترجمہ: اس کے وجود کا ہر رگ و ریشہ خداوند ازل کا گھر ہے۔ اس کا ہر سانس اور ہر ذرّہ دوست کے

جمال سے منور ہے۔

وہ اپنے معشوق میں اس طرح محو ہو گیا کہ کمال اتحاد کی وجہ سے کہ اس کی صورت بالکل رب رحیم کی صورت ہو گئی۔

محبوب حقیقی کی خوشبو اس کے چہرہ سے نظر آ رہی ہے۔ اس کی حقانی ذات خدائے قدیم کی ذات کا مظہر ہے۔

آپ اپنے اردو کلام میں فرماتے ہیں:-

~ شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے ⁂ تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے

محبتِ الٰہی گوہر مقصود: اللہ تعالیٰ سے محبت اس کے وجود میں انتہائی قرب کا پانا اور اس کے وجود میں فنا ہونے کا نام ہے۔ محبت کی یہی راہیں تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیں۔ آپؐ کی محبت کا رنگ عاشقانہ تھا۔ آپؐ اپنے وجود سے کھوئے گئے۔ سب حُسن و کمالات کا جامع اور منبع وہی ذات اقدس تھی۔ جس کی یاد سے آپ کی تنہائیاں معمور تھیں۔ حُسنِ کائنات کا محور وہ پاک ذات آپؐ کے سامنے تھی۔ آپؐ کی اس مجذوبیت پر قوم پکار اٹھی تھی "عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ"۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر عاشق ہو گیا۔ آپؐ کی امانت و دیانت کی طرح آپؐ کی محبت الٰہی بھی آپؐ کے عُلوِ مرتبت اور صداقت کو ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ جس محبت کی تلاش میں حرا کی تاریک غار میں آپؐ نے شب و روز گزارے وہ گوہر مقصود آپؐ کو مل گیا۔ کہ خالق کائنات ہی محبت کے لائق وجود ہے۔ جو رحمٰن بھی ہے رحیم بھی۔ جامع جمیع صفاتِ حسنہ ہے۔ صرف اسے یکتائی حاصل ہے۔ ذات میں بھی صفات میں بھی، وہ بے نیاز اور مستغنی ہے ہر شے سے۔ صرف وہی لائق فدائیت ہے اور وہی ہے جس پر توکل کیا جا سکتا ہے۔ بقاء اسی سے ہے جو مبدء فیض ہے۔ اور یہی دائمی زندگی ہے۔

محبت کے تقاضے: محبت کا مضمون بڑا وسیع ہے۔ محبت اپنے وجود کے کھو دینے، اسے ایک اعلیٰ ذات پر قربان کر دینے کا نام ہے۔ محبت نام ہے اس یاد کا جو اسے اپنے وجود سے بے خبر کر دیتی ہے۔ محبت اس بے خودی کی کیفیت کا نام ہے۔ جہاں خودی کا کوئی تصور نہیں اور جہاں خودی اس آتش محبت میں اپنے تئیں فنا کر دیتی ہے اور اسے بقا ملتی ہے اس طرح محبت کا سفر ختم نہیں ہوتا۔ پھر محبت تقاضا کرتی ہے توکل و استقلال کا، غیرت و شجاعت کا، اخلاص اور فدائیت کا، وفاداری اور اطاعت کا اور سچی عبودیت کا۔ یہی وہ تقاضے ہیں۔ جو حضرت اقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت الٰہی کے اوصاف و امتیازات ہیں۔ اور آپ کی سیرتِ مقدسہ کا یہ پہلو اتنا نمایاں اور اعلیٰ درجہ کا ہے کہ تخلیقِ آدم

سے اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ اور بدیہی طور پر یہ صداقت سامنے آتی ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کے لئے علتِ غائی آپؐ کے مقدس وجود کا ظہور تھا۔ یہاں محبت کی انہی توضیحات کے مطابق آپؐ کی سیرتِ طیبہ کے بعض ممتاز پہلوؤں کا بیان اس جگہ مقصود ہے۔ تاکہ اسوۂ رسولؐ کے پیارے نقوش سے ہم اپنا مقصدِ حیات پالیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ الٰہی کیلئے تڑپ: سیرت نبویؐ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے معمولات، روز و شب ہر امر خاص و عام میں محبت الٰہی کا رنگ تھا۔ آپؐ محبت کے جذبہ میں اس قدر سرشار ہوتے کہ ہر لمحہ یادِ الٰہی میں محو رہتے۔ کوئی کام بھی تو ایسا نہ تھا جس میں اپنے رب کریم کو نہ پکارتے۔ اور پھر زندگی کا کوئی بھی مرحلہ نہ تھا جب دعا کو مقدم نہ کرتے۔ گویا محبت ہی آپ کی روح کی غذا تھی۔ اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا اور مناجات کرتے۔ حضرت عبداللہؓ بن یزید الانصاری روایت کرتے ہیں حضورِ اقدسؐ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ مَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ، مَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ۔ (جامع ترمذی)

ترجمہ: اے اللہ مجھے اپنی محبت عطا کر اور اس کی محبت بھی جس کی محبت مجھے تیرے حضور فائدہ دے۔ اے اللہ جو میری محبوب چیزیں تو مجھے عطا کرے۔ ان کو میرے لئے ان باتوں میں جو تجھے محبوب ہیں قوت کا ذریعہ بنا دے اور جو چیزیں میری محبوب ہیں تو مجھ سے الگ کر دے تو ان کی جگہ مجھے وہ عطا کر دے جو تیری محبوب ہیں۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: کَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ"

(جامع ترمذی کتاب الدعوات)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام یوں دعا فرمایا کرتے تھے "اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت جو تجھ سے پیار کرتے ہیں۔ اور اس کام کی محبت جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے میرے خدا! ایسا کر کہ تیری محبت مجھے اپنی جان اپنے اہل و

عیال اور ٹھنڈے شیریں پانی سے بھی زیادہ پیاری اور اچھی لگے۔

ایک اور دعا: محبت الٰہی کے لئے آپؐ کے دل کی یہ حالت تھی کہ آپؐ چاہتے تھے کہ آپؐ کے وجود کا ذرّہ ذرّہ انوار خداوندی میں گم ہو جائے گویا آپؐ نور مجسم ہو جائیں۔ عملاً بھی آپؐ نے ہر عُسر و یُسر میں نیکی و تقویٰ کو مقدم کیا تاکہ انوار کا مورد بنیں۔ آپؐ کے دل میں نورِ ایمان اس قدر مسلّط تھا کہ اس کی ترجمانی اس سے دعا ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ کہ آپ صبح کی سُنّتوں کے بعد یہ دعا مانگتے:-

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا وَفِي بَصَرِي نُوْرًا وَفِي سَمْعِي نُوْرًا وَعَنْ يَمِيْنِي نُوْرًا وَعَنْ يَسَارِي نُوْرًا وَفَوْقِي نُوْرًا وَتَحْتِي نُوْرًا وَاَمَامِي نُوْرًا وَخَلْفِي نُوْرًا وَاجْعَلْ لِّي نُوْرًا۔" (بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء)

ترجمہ: اے اللہ میرے دل کو نُور سے بھر دے۔ میری آنکھوں میں نُور بھر دے اور میرے کانوں میں نور بھر دے۔ اور دائیں طرف بھی نور کر دے اور بائیں طرف بھی اور میرے اوپر بھی نُور کر دے اور نیچے بھی نُور کر دے اور نُور کو میرے آگے بھی کر دے اور پیچھے بھی کر دے اور مجھے نُور ہی نُور کر دے۔

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس اس طرح دعا مانگتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ یہ دعا خلوت کے وقت کی ہے کہ جس وقت انسان اپنے خدا سے آزادی کے ساتھ اپنا حال دل عرض کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جذبِ محبّت الٰہی کے لئے ایسے وقت کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہ دیکھ رہا ہوتا۔ سوائے ایک نابالغ بچے کے جو چپکے چپکے کہیں آپ کے احوال و اعمال کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

یہاں حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں نُور بھرنے کی دعا کے ساتھ یہ درخواست کی کہ جن ذرائع سے انسان کا دل متاثر ہو سکتا ہے ان میں بھی نور بھرے یعنی آنکھوں کانوں کو بھی نُور سے بھر دے یعنی آنکھیں اور کان کسی ایسی چیز سے متاثر نہ ہوں جو نیکی اور تقویٰ کے خلاف ہوں اور محبت الٰہی کی راہ میں روک بنیں۔ اس کے ساتھ آپ نے اس تڑپ کا اظہار کیا جو انسانی ارادہ و طاقت سے عموماً باہر ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ میرے دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر نیچے یعنی شش جہت میں نُور ہی نُور کر دے یعنی محبتِ الٰہی میں روک بننے والی روکیں مکمل طور پہ دُور فرما دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت الٰہی کے لئے یہ تڑپ اور جذبہ درحقیقت مخلوقِ خدا کے لئے تھی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:

سخت شورے بر فلک افتاد زاں عجز و دعا ⁂ قدسیاں را نیز شد چشم از غم آں اشکبار
آخر از عجز و مناجات و تضرع کردنش ⁂ شد نگاہے لطفِ حق بر عالمِ تاریک و تار

(آئینہ کمالاتِ اسلام)

(ترجمہ) اس کے عجز و دعا سے آسمان پر سخت شور برپا ہوگیا اور اس کے غم کی وجہ سے فرشتوں کی آنکھیں غم کے مارے اشکبار ہوگئیں۔ آخر کار اس کی عاجزی و مناجات اور گریہ زاری کی وجہ سے خدا نے تاریک و تار دنیا پر مہربانی کی نظر فرمائی۔

اللہ تعالیٰ پر کامل توکل: محبت کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس سے محبت ہو اس پر اسے ناز اور فخر بھی ہو کہ وہ میرا ہے اور وہ میری حفاظت بھی کرے گا۔ اور ہر حال میں میرے ساتھ ہوگا۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت الٰہی کا یہ رنگ تھا۔ آپؐ کبھی مشکل سے مشکل وقت پر بھی نہیں گھبرائے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے بڑی جرأت و شجاعت دکھلائی۔ اس لئے کہ آپؐ جانتے تھے آسمانی وعدہ (کہ اللہ تعالیٰ تجھے دشمن سے محفوظ رکھے گا) (مائدہ) پورا ہوگا اور خدا تعالیٰ آپؐ کی حفاظت فرمائے گا۔ چنانچہ آپؐ نے بڑے بڑے خطرناک مواقع پر بھی اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور کلمہ توحید کو نہایت جرأت اور شجاعت سے سربلند رکھا۔

ہجرت مدینہ کے موقعہ پر آپؐ تن تنہا مکہ سے روانہ ہوئے سخت پہرہ اور نگرانی کی پرواہ نہ کی۔ مکہ سے صحیح سلامت آپؐ کے نکل جانے سے دشمن کی آگ بھڑک اٹھی۔ آپؐ کو پکڑ کر لانے والے کیلئے انعام مقرر کیا گیا۔ آپؐ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں جبلِ ثور پر پہنچے اور ایک مہیب اور خطرناک غار میں پناہ لی۔ کچھ سردار، کھوجی کو لے کر نکلے۔ انہوں نے آپؐ کے قدموں کے نشانات پر جبلِ ثور کا رُخ کیا۔ جب غار ثور پر پہنچے تو کھوجی نے کہا کہ آپؐ اس سے آگے نہیں گئے۔ مگر ساتھیوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس خطرناک غار میں آپؐ کیسے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ گئے۔ جب مسلح دشمن سر پر ہو۔ گھبرانا اور خوف کھانا قدرتی امر ہے۔ لیکن وہ مقدس وجود ذرا بھی نہ گھبرایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بخاری کتاب المناقب میں ہے۔

(ترجمہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں تھا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا۔ دیکھا کہ ہم تعاقب کرنے والوں کے پاؤں تلے ہیں (حضرت ابوبکر کی گھبراہٹ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا) اے ابوبکرؓ خاموش رہو۔ ہم دو ہیں۔ ہمارے ساتھ تیسرا خدا ہے۔ پھر وہ ہمیں کیونکر گزند پہنچا سکتے ہیں۔ اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے وحی الٰہی نے آپؐ کو تسلی دی۔ سورہ توبہ میں ہے۔ "فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ...." (آیت ۴۰)

(ترجمہ) اللہ نے اس کی اس وقت بھی مدد کی ہے جبکہ اسے کافروں نے دو میں سے ایک کی صورت میں نکال دیا تھا۔ جبکہ وہ دونوں غار میں تھے اور جبکہ وہ اپنے ساتھی ابوبکرؓ سے کہہ رہا تھا کوئی غم نہ کر اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے

ان پر اپنی سکینت نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد کی جن کو تم نہیں دیکھتے تھے۔

اللہ کی شان یہ کیا عظیم مقام توکل تھا۔ خدا تعالیٰ کی محبت و معیت پر کتنا ناز تھا۔ دشمن سر پر کھڑا ہے۔ اتنا نزدیک ہے کہ ذرا آنکھ نیچی کرے تو دیکھ لے۔ لیکن خدا تعالیٰ پر آپ کو اتنا یقین اور بھروسہ ہے کہ اسباب مخالف ہوتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کوئی حزن و ملال کی بات نہیں۔ خدا تو ہمارے ساتھ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ پہ توکل ہی تھا۔ نہ کوئی مدد کرنے والی جماعت ہے نہ بچ نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے!۔

ہجرت کے موقعہ پہ سراقہ بن جعشم ایک بڑے انعام کے لالچ میں آپؐ کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ انعام کے لالچ اور قوم میں ایک بڑا رتبہ پانے کے شوق میں تیزی سے آپؐ کے قریب آتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ اس مقدس وجود کی فکر میں پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے ہیں کہ سراقہ قریب آرہا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی گھبراہٹ نہیں۔ سراقہ حیرت زدہ ہے۔ اور وہ اس نظارہ کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکا۔ سراقہ کی ہی روایت بخاری کتاب المناقب میں ہے۔

(ترجمہ) یعنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنا قریب ہو گیا کہ میں آپؐ کے قرآن پڑھنے کی آواز سن رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں بالکل نہیں دیکھتے تھے ہاں حضرت ابو بکر بار بار دیکھتے جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کی کتنی بے نظیر مثال ہے کہ نہ آپ تیز قدم ہوئے نہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ نہ اپنے دفاع کیلئے سوچا۔ آپؐ تو محبت الٰہی میں اتنے گم تھے۔ اللہ تعالیٰ پہ اتنا بھروسہ تھا کہ دنیا کی طاقتیں آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ حفاظت کے ظاہری اسباب نہ ہوتے ہوئے آپؐ کو یہ یقین تھا کہ خالق اسباب کے سامنے مخالف کے اسباب کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ آپؐ کا توکل ہی تھا کہ سراقہ کے دل پر رعب پڑ گیا اور معافی مانگ کر واپس چلا گیا۔ اور اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ واپس لوٹ جائے۔ بلکہ باقی تعاقب کرنے والوں کو بھی لوٹا دیا۔

توکل کے بارہ میں آپؐ کی ایک دعا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ پہ اس قدر توکل تھا کہ ہر مشکل اور مصیبت کے وقت اسی پر نظر ہوتی۔ بے شک آپؐ ظاہری اسباب کا بھی لحاظ رکھتے لیکن اسباب پر بھروسہ اور توکل نہ کرتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ ہر ایک گھبراہٹ کے وقت فرماتے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔

(بخاری جلد ۲ کتاب الدعوات)

کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے وہ رب ہے بڑے عرش (تخت حکومت) والا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ آسمانوں کا رب ہے۔ وہ زمین کا رب ہے۔ وہ بزرگ تخت کا رب ہے۔ یعنی بھروسہ اور توکل تو اسی پر ہے۔ (جاری)

سیرتِ طیبہ

ایمان افروز اور رُوح پرور ــــ روایات

حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ ..... کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت اقدس مسیح موعود بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ ... کا عشق رسول ﷺ نہایت اعلیٰ درجہ کا اور عدیم المثال ہے۔ اور عشق کا جو لازمی نتیجہ قربانی، اطاعت و فدائیت اور غیرت کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسے پیش کرتا ہے۔ آپ کے جذبات آپ کے خیالات آپ کی تحریرات اور آپ کا عملی نمونہ انہی جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ کا عربی، فارسی اور اردو منظوم کلام اور آپ کی عشق محبت سے معمور تحریرات اس قلبی کیفیت کو ظاہر کرتی ہیں جس میں محبت کے چشمے پھوٹ رہے ہوتے ہوں۔

O

آپ کے عربی کلام میں اس جذبہ فدائیت کا اظہار یوں نظر آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

اُنْظُرْ اِلَیَّ بِرَحْمَۃٍ وَّ تَحَنُّنٍ　　یَا سَیِّدِیْ اَنَا اَحْقَرُ الْغِلْمَانِ

یَا حِبِّ اِنَّکَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّۃً　　فِیْ مُھْجَتِیْ وَ مَدَارِکِیْ وَ جَنَانِیْ

مِنْ ذِکْرِ وَجْھِکَ یَا حَدِیْقَۃَ بَھْجَتِیْ　　لَمْ اَخْلُ فِیْ لَحْظٍ وَّلَا فِیْ اٰنٖ

جِسْمِیْ یَطِیْرُ اِلَیْکَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا　　یَالَیْتَ کَانَتْ قُوَّۃُ الطَّیَرَانٖ

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۹۳)

(ترجمہ) اے میرے خدا! میری طرف رحمت اور شفقت کی نظر رکھ میں تیرا ایک ادنیٰ ترین غلام ہوں۔

اے میرے محبوب! تیری محبت میرے رگ و ریشہ میں اور میرے دل میں اور میرے دماغ میں رچ بس چکی ہے۔

اے میری خوشیوں کے باغ! میں ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی تیری یاد سے خالی نہیں رہتا۔

میری روح تو تیری ہو چکی ہے مگر میرا جسم بھی تیری طرف پرواز کرنے کی تڑپ رکھتا ہے اے کاش مجھ میں اڑنے کی طاقت ہوتی۔

O

عجب نوریست در جانِ محمد　　عجب لعلیست در کانِ محمد

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش　　　محمد ہست برہانِ محمد
دریں رہ گر کشندم در بسوزند　　　نتابم رو ز ایوانِ محمد
فدا شد در رہش ہر ذرۂ من　　　کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمد

(آئینہ کمالات اسلام)

جان و دلم فدائے جمال محمد است　　　خاکم نثار کوچہ آل محمد است

(ترجمہ) حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں خدا تعالیٰ نے عجیب نور ودیعت کر رکھا ہے اور آپ کی مقدس کان لعل و جواہرات سے بھری پڑی ہے۔ سو اے مخاطب! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل چاہتے ہو تو اس کے عاشق بن جاؤ۔ کیونکہ محمد کا وجود ہی اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ خدا کی قسم اگر اس راستے میں مجھے پارہ پارہ کر دیا جائے اور میرے ذرہ ذرہ کو جلا کر نابود کر دیا جائے تو پھر بھی میں آپ کے در سے کبھی منہ نہیں موڑوں گا۔ آپ کی محبت کے راستے میں میرے جسم کا ہر ذرہ قربان ہو کیونکہ میں نے اس راہ محبت میں اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن دیکھا ہے۔ میری جان و دل آپ کے حسن و جمال پر قربان ہو۔ اگر میں مٹ کر خاک ہو جاؤں تو وہ خاک آپ کی آل اولاد کے کوچہ پر نثار ہو۔

O

پھر آپ کی محبت سے معمور دل کی یہ صدا بلند ہوتی ہے۔

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں　　　وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا　　　وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے
دنیا میں عشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا　　　معشوق ہے تو میرا عشقِ صفا یہی ہے
مشتِ غبار اپنا تیرے لئے اڑایا　　　جب سے سنا کہ شرطِ مہر و وفا یہی ہے
باغ احمد سے ہم نے پھل کھایا　　　میرا بستان کلام احمد ہے

نیز فرمایا۔

ربط ہے جانِ محمد سے میری جان کو مدام　　　دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
نقشِ ہستی تیری الفت سے مٹایا ہم نے　　　اپنا ہر ذرہ تیری رہ میں اڑایا ہم نے
دلبرا مجھ کو قسم ہے تیری یکتائی کی　　　آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے

(درثمین اردو)

آپ کے یہ جذبات محبت کبھی شعروں میں ڈھلتے اور کبھی نثر میں اس حسین جذبہ اور بے پناہ تڑپ کا اظہار ہوتا۔

O

حضرت اقدس کی تحریرات میں بھی یہ جذبات بدرجہ اتم موجود تھے۔ آپ نے ایک جگہ عیسائیوں کے جھوٹے اور ناپاک الزامات جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہیں کا ذکر کرتے ہوئے بڑے دکھ کا اظہار فرمایا:۔

(ترجمہ از عربی اقتباس) "عیسائی مشنریوں نے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بے شمار بہتان گھڑے ہیں۔ میرے دل کو کسی چیز نے اتنا دکھ نہیں پہنچایا جتنا کہ ان لوگوں کے ہنسی اور ٹھٹھا نے پہنچایا ہے۔ وہ جو رسول پاک ﷺ کی شان میں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے دل آزار طعن و تشنیع نے جو وہ حضرت خیرالبشر ﷺ کی ذات والا صفات کے خلاف کرتے ہیں۔ میرے دل کو زخمی کر رکھا ہے۔ خدا کی قسم اگر میری ساری اولاد اور اولاد کی اولاد اور میرے سارے دوست اور میرے سارے معاون و مددگار میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دئے جائیں اور خود میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے جائیں اور میری آنکھ کی پتلی نکال پھینکی جائے اور میں اپنی تمام مرادوں سے محروم کر دیا جاؤں اور اپنی تمام خوشیوں اور آسائشوں کو کھو بیٹھوں تو ان ساری باتوں کے مقابل پر میرے لئے یہ صدمہ زیادہ بھاری ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے ناپاک حملے کئے جائیں۔ پس اے میرے آسمانی آقا تو ہم پر رحمت اور نصرت کی نظر فرما اور ہمیں اس ابتلاء عظیم سے نجات بخش۔"

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۱۵)

اس بے انتہا محبت کے جو لازمی نتائج ایک سچے محب سے ظاہر ہو سکتے ہیں وہ آپ کے مقدس وجود سے لمحہ لمحہ ظاہر ہوتے رہے۔ محبت کا ایک تقاضا فدائیت ہے جسے مذکورہ بالا کلام و تحریرات پیش کر رہی ہیں۔ اب عشق رسول ﷺ سے معمور اور گداز ہستی کی عظیم تڑپ اور غیرت سے متعلق چند روایات ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔

O

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب...... جنہیں حضرت اقدس...... کی مبشر اولاد میں سے ہونے کا شرف حاصل ہے۔ فرماتے ہیں۔

"یہ خاکسار حضرت مسیح موعود .... کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ خدا کی ایک عظیم الشان نعمت ہے جس کے شکریہ کے لئے میری زبان میں طاقت نہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ میرے دل میں اس شکریہ کے تصور تک کی گنجائش نہیں۔ مگر میں نے ایک دن مر کر خدا کو جان دینی ہے۔ میں اس آسمانی آقا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں۔ کہ میرے دیکھنے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے ذکر پر بلکہ نام لینے پر بھی حضرت مسیح موعود...... کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلی نہ آ گئی ہو۔ آپ کے دل و دماغ بلکہ سارے جسم کا رواں رواں اپنے آقا حضرت سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے معمور تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مسیح موعود اپنے مکان کے ساتھ والی چھوٹی

(بیت) جو (بیت) مبارک کہلاتی ہے اکیلے ٹہل رہے تھے اور آہستہ آہستہ گنگناتے جاتے اور اس کے ساتھ ہی آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی تار بہتی چلی جا رہی تھی اس وقت ایک مخلص دوست نے باہر سے آکر سنا تو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت حسان بن ثابت کا ایک شعر پڑھ رہے تھے۔ جو حضرت حسان رضی اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کہا تھا۔ اور وہ شعر یہ ہے۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیْکَ النَّاظِرُ مَنْ شَآءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

(ترجمہ) "اے خدا کے پیارے رسول ﷺ تو میری آنکھ کی پتلی تھا۔ جو آج تیری وفات سے اندھی ہو گئی ہے۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرے۔ مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا جو واقع ہو گئی۔"

راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے حضرت اقدس...... کو روتے ہوئے دیکھا تو میں نے گھبرا کر عرض کیا۔ یہ کیا معاملہ ہے؟۔ حضور کو کیا صدمہ پہنچا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا میں اس وقت حسان بن ثابت کا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔ اور میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہو رہی تھی کہ

"کاش! یہ شعر میری زبان سے نکلتا۔"

(سیرت طیبہ صفحہ ۲۸)

حضرت اقدس کی حیات طیبہ میں سخت حوادث اور مصائب آئے آپ کو انتہائی تلخیاں اور اذیتیں پہنچیں۔ اپنے دلی محبوبوں اور فدائیوں کی موت کا نظارہ دیکھا۔ مگر کبھی آپ کی آنکھوں نے اس قلبی کیفیت کو ظاہر نہیں کیا۔ جو اس واقع میں اور پھر تنہائی میں اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صدیوں پہلے وفات کے متعلق نظر آیا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا کہ جس طرح کوئی تازہ صدمہ پہنچا ہو۔

O

ایک روایت جو حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ...... کی ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب...... نے فرمایا کہ یہ روایت انہوں نے براہ راست حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے سنی ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب اپنی تقریر سیرت حضرت مسیح موعود میں بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت سیدہ موصوفہ نے فرمایا۔

"ایک مرتبہ جب کہ حضرت مسیح موعود.... کی طبیعت کچھ ناساز تھی اور آپ گھر پر چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور حضرت اماں جان اور حضرت میر ناصر نواب صاحب بھی پاس بیٹھے ہوئے تھے (کہ ایک رکن عبادت) کا ذکر ہو گیا حضرت میر صاحب نے کوئی ایسی بات کہی۔ کہ اب تو (اس عبادت) کے لئے سفر اور راستے وغیرہ کی سہولت پیدا ہو رہی ہے .... چلنا چاہئے۔ اس وقت زیارت....... کے تصور میں حضرت مسیح موعود کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئیں تھیں۔ اور آپ اپنے ہاتھ کی انگلی سے اپنے آنسو پونچھتے

جاتے تھے۔ حضرت میر صاحب کی بات سن کر فرمایا کہ۔ یہ تو ٹھیک ہے اور ہماری بھی دلی خواہش ہے مگر میں سوچا کرتا ہوں کہ

"کیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کو دیکھ بھی سکوں گا"۔

(روایات حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بحوالہ تقریر سیرت مسیح موعود صفحہ ۱۳)

O

یہ عشق رسول ﷺ ہی تھا کہ آپ کے دل میں ناموس رسالت ﷺ کے لئے انتہا درجہ کی غیرت تھی۔ پنڈت لیکھرام آریہ سماجی لیڈر تھا مگر اسلام کا بدترین دشمن۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی شان میں سخت گستاخی اور دشنام طرازی کی۔ سخت گندے اعتراض کئے۔ اسی پنڈت لیکھرام کا واقعہ ہے۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی بیان کرتے ہیں۔

" حضرت مسیح موعود فیروز پور سے قادیان کو آ رہے تھے۔ ان ایام میں حضرت میر ناصر نواب صاحب فیروز پور میں مقیم تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہاں گئے ہوئے تھے۔ خاکسار عرفانی کو (جو ان ایام میں محکمہ نہر میں امیدوار ضلع داری تھا اور رکھانوالہ میں حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار کے ساتھ رہ کر کام سیکھتا تھا) بھی فیروز پور جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب آپ وہاں سے واپس آئے تو میں رائے ونڈ تک ساتھ تھا۔ وہاں آپ نے ازراہ کرم فرمایا تم ملازم تو ہو ہی نہیں چلو لاہور تک چلو۔ (لاہور میں) عصر کی نماز کا وقت تھا آپ نماز پڑھنے کے لئے تیار ہوئے........ میں پلیٹ فارم کی طرف گیا تو پنڈت لیکھرام آریہ مسافر...... جالندھر جانے کو تھا...... مجھ سے اس نے پوچھا کہاں سے آئے ہو میں نے حضرت اقدس کی تشریف آوری کا ذکر سنایا تو خدا جانے اس کے دل میں کیا آئی۔ بھاگا ہوا وہاں آیا جہاں حضرت اقدس وضو کر رہے تھے۔...... اس نے ہاتھ جوڑ کر آریوں کے طریق پر حضرت اقدس کو سلام کہا۔ مگر حضرت اقدس نے یونہی آنکھ اٹھا کر سرسری طور پر دیکھا اور وضو کرنے میں مصروف رہے اس نے سمجھا کہ شاید سنا نہیں اس لئے اس نے پھر کہا۔ حضرت بدستور استغراق میں رہے۔ وہ کچھ دیر ٹھہر کر چلا گیا۔ کسی نے کہا لیکھرام سلام کرتا تھا۔ فرمایا

" اس نے آنحضرت ﷺ کی بڑی توہین کی ہے۔ میرے ایمان کے خلاف ہے کہ میں اس کا سلام لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر تو حملے کرتا ہے اور مجھ کو سلام کرنے آیا ہے۔"

(سیرت حضرت مسیح موعود...... صفحہ ۲۷۲)

غرض آپ نے اظہار غیرت کیا اور پسند نہ کیا کہ وہ شخص جو آنحضرت ﷺ کی توہین کرتا ہے میں اس کا سلام لوں"۔

O

حضرت شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

"آپ کی زندگی کے آخری سال ۱۹۰۷ء میں لاہور میں آریہ سماج کا ایک جلسہ تھا اس جلسہ میں انہوں نے ایک مذہبی کانفرنس کی اور مسیح موعود...... کو اپنا مضمون پیش کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے وہ مضمون لکھا جو چشمہ معرفت کے اول میں چھپا ہوا ہے۔

اس مضمون کے سنانے کے لئے حضرت حکیم الامت خلیفہ المسیح الاول مامور ہوئے۔ اور جماعت آپ کے ساتھ بھیجی گئی۔ آریوں نے اپنی نوبت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں دل آزار کلمات بولے۔ آپ نے جب یہ سنا کہ ہماری جماعت کے لوگ ان کلمات کو سن کر بیٹھے رہے تو آپ نے اظہار ناراضگی فرمایا کہ

"کیوں جماعت کے لوگ وہاں بیٹھے رہے"

باوجودیکہ حضرت حکیم الامت کا آپ بہت احترام فرماتے تھے اور ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ مگر اس فروگذاشت میں جو حاضرین مجلس سے ہوئی تھی۔ آپ نے کسی کی بھی پرواہ نہ کی اور اظہار ناراضگی فرمایا۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی وہ بھی اس وفد میں شریک تھے اور وہ اس وقت وہاں سے آنا بھی چاہتے تھے۔ مگر ایک دوست نے کہہ دیا کہ راستہ نہیں ہے...... ان کو اٹھنے نہ دیا باوجودیکہ آپ کو بہت محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مگر یہ غلطی ان کی بھی قابل معافی نہ سمجھی گئی۔ اور ان سے جواب طلب کیا گیا

کیوں تم اس مجلس سے نہ اٹھ آئے جہاں نبی کریم ﷺ کی ہتک ہوئی تھی"۔

(سیرت حضرت مسیح موعود..... صفحہ ۲۷۳)

اس واقعہ میں حضرت مسیح موعود کی اپنے آقا حضرت ﷺ کے لئے کس قدر جوش غیرت نظر آتا ہے کہ آپ ایسی مجلس میں بیٹھے رہے تو جہاں اپنے آقا کے بارے میں سوء ادبی ہوئی ناراضگی کا اظہار فرماتے ہیں۔

O

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی حرم اول سے بڑے بیٹے تھے۔ ڈپٹی کمشنر ریٹائرڈ ہوئے دنیا کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ حضرت مسیح موعود...... کی زندگی میں آپ کی بیعت نہ کر سکے۔ آپ فرماتے ہیں۔

" ایک بات میں نے والد صاحب (یعنی حضرت مسیح موعود) میں خاص طور پر دیکھی ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف والد صاحب ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کی شان کے خلاف ذرا سی بات بھی کہتا تو والد صاحب کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور غصہ سے آنکھیں متغیر ہونے لگتی تھیں۔ اور فوراً ایسی جگہ سے اٹھ کر چلے

جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو والد صاحب کو عشق تھا۔ ایسا عشق میں نے کسی شخص میں نہیں دیکھا" مرزا سلطان احمد صاحب نے اس بات کو بار بار دھرایا۔

(سیرت المہدی حصہ اول)

عشق رسول ﷺ کی یہ وہ شہادت ہے جو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے باوجود حضرت مسیح موعود....... کی بیعت نہ ہونے۔ آپ کی عمر بھر کے مشاہدہ کا نتیجہ ہے۔

آپ اپنے ایک مضمون "عشق رسول ﷺ میں گداز ہستی" میں فرماتے ہیں۔" میری آنکھوں نے ان نظاروں کو دیکھا ہے کہ اس مقدس ہستی کے سامنے آنحضرت ﷺ کا نام اگر کسی نے کوئی سوء ادبی سے لے دیا تو باوجود ہر قسم کے تعلقات رشتہ داری کے آپ نے ان سے قطع تعلق کر لیا"۔ (الحکم کراچی ۷۔ ۱۴ جون ۱۹۵۴ء)

O

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی عملی زندگی' دنیاوی مصروفیات' سفر و حضر' جلوت و خلوت میں ہمیشہ یاد محبوب ﷺ ہی تھی۔ آپ کا دل اسی کے عشق میں مخمور رہتا۔ آپ کثرت سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا کرتے۔ آپ نے فرمایا۔

ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ....... آب زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان پر لئے آتے ہیں اور ایک نے ان...... میں سے کہا کہ یہ وہی برکتیں ہیں جو تو نے محمد ﷺ کی طرف بھیجی تھیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم۔ روحانی خزائن جلد۔۱ حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۵۹۸)

عشق رسول ﷺ کا یہ وہ عدیم المثال نمونہ ہے۔ آپ کے وجود سے کامل اطاعت رسول ﷺ اور فدائیت کا رنگ نظر آتا ہے۔ آپ بار بار اس کا اظہار فرماتے کہ میرا تو کچھ بھی نہیں جو ملا اپنے محبوب آقا ﷺ کے طفیل ملا۔ آپ فرماتے ہیں۔

یہ شرف (مکالمہ مخاطبہ الہیہ) مجھے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوا ہے۔ اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم .... کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں ہرگز کبھی یہ شرف مکالمہ' مخاطبہ نہ پاتا۔ (تجلیات الہیہ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۴۱۱۔ ۴۱۲)

الغرض حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ......... نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ کامل

باقی صہ ۴۱ پر

میرا کرشنِ ثانی

درشن سے ایشور کے چین آتما نے پایا
آیا کرشنِ ثانی جیون سروپ لایا
اوتار کی نظر سے چھٹنے لگے اندھیرے
چلتا بنا وہ شیطاں، حق کا جو نور آیا
روح انجمن میں پھونکی روح القدس سے پاکر
ملہار اُس نے گا کر کیا رنگ ہے جمایا!
سجدوں میں گم رہا وہ بھگوان کا گیانی
کھو کر وہ اپنے من میں، کیا نور ڈھونڈ لایا!
ماتھا مہاتما کا ہے جلوہ گاہ کیسی!
سورج کی آنکھ خیرہ منہ چاند نے چھپایا
دھرتی کے بھاگ جاگے شکتی ملی دھرم کو
کرپا سے ایشور کی مکتی وہ لے کے آیا
سب رنگتیں مٹا کر، سب سنگتیں چھڑا کر
سنگت نئی ہے بخشی رنگ اور ہی چڑھایا

آکاش پر ہوئی ہے لرزش سی ایک طاری
سکتہ زدہ ہے شیطاں، ناقوس وہ بجایا

ہے انجمن کو بخشی زینت سبھا پتی نے
اوتار کی جبیں سے سنسار جگمگایا

ہاں بنسری بجا کر وہ زیر و بم بکھیرے
پورب بھی لہلہایا، پچھم بھی لہلہایا

سرگم سُروں میں گم ہے میرا کرشنِ ثانی
جاگ اُٹھے ہفت کشور مضراب جب ہلایا

دُنیا تیاگ کر جو چرنوں میں اُسکے بیٹھے
تن پھونک کر انہوں نے من کا دِیا جلایا

دُکھ جو سماج کے ہیں اُن کا علاج لے کر
ہر درد کو مٹانے حاذق طبیب آیا

مقبول اِس سبھا میں شاید ہوں بول اسکے
اِسلام نے بھی اُٹھ کر دیپک کا راگ گایا

عبد السلام اسلام

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب

آپ کی سیرت و سوانح کے چند نمایاں پہلو

ایک اعلیٰ منتظم اور مدبّر ـــ بلند پایہ مصنّف اور دانشور

محترم بشیر احمد صاحب زاہد ۔ راولپنڈی

(دوسری و آخری قسط)

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی زندگی کا یہ پہلو جماعت احمدیہ کے ہر فرد کے لئے یقیناً بڑا سبق آموز ہے کہ آپ بچپن سے ہی بڑے محنتی جفاکش اور کام کرنے والے اور کام سے نہ تھکنے والے اور نہ اکتانے والے وجود تھے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے دوسرے شہروں کا قصد کیا اور تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے پٹوارگری سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا اور یہ آپ کی محنت اور جفاکشی اور کام سے نہ تھکنے اور نہ اکتانے کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ ملازمت میں افسر محکمہ بندوبست اے ۔ ای ۔ سی ' قائمقام ڈپٹی کمشنر اور ریاست بہاولپور کے مشیر مال کے بلند مناصب تک پہنچے۔

ایک اعلیٰ منتظم اور منصف کی حیثیت سے آپ کی زندگی کا یہ ایک خاص پہلو ہے جس نے مشرق و مغرب میں شہرت پائی کہ آپ ایک بے خوف اور جری دل اور انصاف پسند حاکم تھے جو عدل و انصاف کے قیام کی راہ میں بڑی سے بڑی ہستی سے ٹکرا جانے کو معمولی بات اور اپنا اہم فرض گردانتے تھے۔ اس بارہ میں چند واقعات مندرجہ ذیل ہیں۔

O

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب جلیانوالہ باغ کا خونیں حادثہ رونما ہوا تھا اور ہندوستان میں ایک قیامت صغریٰ برپا تھی اور ملک کا گوشہ گوشہ فتنہ و فساد کی چتا بن چکا تھا اور پنجاب کا صوبہ جوالا مکھی پہاڑ دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ یہی وہ آتش بداماں دن تھے جب آپ گوجرانوالہ میں ڈپٹی کمشنر کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ یکلخت فتنہ و فساد کا لاوا یہاں بھی پھٹ پڑا تھا۔

نیرنگ خیال میں ہے کہ :-

"عوام نے جو ہنگامہ پسندی کے خوگر ہوا کرتے ہیں...... حالات و اخبارات اور افواہوں سے مشتعل ہو کر تشدد کی روش اختیار کرلی۔ ظاہر ہے عوام کے دل و دماغ جب تنور بن جائیں تو آگ لگانے اور آگ برسانے کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ سرکاری عمارات خطرے میں آگئیں۔ ہزاروں کا مجمع بجلی کی سی رفتار کے ساتھ بڑھتا چلا جارہا تھا۔ ایسے وقت میں مرزا سلطان احمد سے کہا گیا کہ وہ عوام کے اس مشتعل گروہ کو منتشر کرنے اور آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے گولی برسانے کا حکم دے دیں۔......

آپ نے کہا میں ان معصوم بچوں اور ان بے خبر لوگوں پر گولی چلانے کا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ میرے نزدیک شورش کے ذمہ دار یہ نہیں کوئی اور ہیں اور وہ جو ذمہ دار ہیں اس مجمع میں موجود نہیں۔ آپ کے اس فیصلہ کی وجہ سے گوجرانوالہ دوسرا جلیانوالہ باغ بن جانے سے محفوظ رہا۔ گو عمارات وغیرہ کا نقصان ضرور کچھ نہ کچھ ہوا۔ یہ نازک موقع گزر گیا۔ تحقیقاتی کمیٹیاں بیٹھیں۔ آپ بھی کمیشن کے سامنے پیش ہوئے۔ آپ کے یہ جواب پبلک میں آئے اور ان پر ولایت کے دارالعوام میں سوال و جواب اور چہ میگوئیاں ہوئیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ مرزا صاحب کی پنشن اور سرکار کے عطا کئے ہوئے مربع جات ضبط ہوں گے اور معتوب ٹھہرائیں جائیں گے مگر آپ نے کسی بات کی پرواہ نہ کی اور آخر میں یہ سب افواہیں بھی بے بنیاد ثابت ہوئیں"۔ (نیرنگ خیال صفحہ ۱۷۔ ۱۸ مئی جون ۱۹۳۴ء)

(نوٹ: اس بارہ میں نیرنگ خیال کو غلط فہمی ہوئی ہے سرکار کی طرف سے کوئی مربع جات آپ کو نہیں دیئے گئے تھے)

O

آپ کی عدل گستری اور انصاف پروری کا ایک اور واقعہ پیش ہے:-

"جب آپ بہاولپور میں وزیر مالیات اور ایک بااختیار حاکم تھے آپ کو معلوم ہوا کہ نواب صاحب کی دادی صاحبہ بالقابہا کا ایک پروردہ خادم ہمیشہ قانون کے خلاف بے عنوانیاں کرتا اور غریب رعایا کو پریشان کرتا رہتا تھا۔ مرزا صاحب سے پہلے حکام تو اس شخص پر اس کی لغویتوں کے باوجود بیگم صاحبہ کے ڈر سے ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتے تھے۔ لیکن جب آپ وہاں پہنچے اور تھوڑے عرصہ کے بعد اس شخص کی گڑبڑوں کی رپورٹ آپ کو ملی تو آپ نے بے دھڑک اس کو پکڑ کر حوالات میں بھجوا دیا۔ اس کے ورثاء روتے دھوتے بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوئے اور فریادی ہوئے۔ مرزا صاحب کی بھی بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی پر طلبی ہوئی۔ جواب طلب کیا گیا کہ تم نے ہمارے آدمی کو جیل میں کیوں بھیجا؟ مرزا صاحب کا جواب یہ تھا کہ "حضور کے حکم سے"۔ وہ بولیں کیسے؟ وہ یوں کہ مجھے حضور کی ریاست کی طرف سے

حضور کی رعایا کے حقوق اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے اس عہدہ پر مقرر کیا گیا ہے۔ جب مجھے معلوم ہوا اور مجھ پر یہ ثابت ہوگیا کہ وہ شخص حضور کی رعایا کے لئے سبب زحمت ہے تو میں نے حضور کے ہی دیئے ہوئے اختیارات سے کام لے کر اس کو سزا دے دی۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو اس فرض کی بجاآوری میں کوتاہی ہوتی جس کے بجالانے سے حضور کی ریاست نے مجھے مقرر کیا ہے۔ بیگم صاحبہ آپ کے اس جواب سے بہت خوش ہوئیں اور منہ چڑھے خادم نے اپنے کئے کی سزا پائی"۔ (نیرنگ خیال صفحہ ۱۸ مئی جون ۱۹۳۴ء)

O

حضرت صاحبزادہ صاحب کی زندگی کا ایک اور درخشاں پہلو عرض ہے۔ امانت و دیانت ایک بہت بڑے انسان کا زیور حیات ہے اور حقیقی مومن کی ایک خاص علامت بھی۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی امانت و دیانت کے بارہ میں یہ واقعہ ایک روشن مثال ہے۔ نیرنگ خیال لکھتا ہے۔

"مرحوم مرزا سلطان احمد...... جب ایک ضلع میں حاکم با اختیار ہو کر گئے جہاں کے بعض بڑے بڑے لوگ اپنی شورہ پشتی میں شہرہ آفاق تھے۔ ان کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی نیا حاکم ان کے ضلع میں جاتا تو وہ اسے کسی نہ کسی طرح اپنے شیشہ میں اتار لیتے اور اپنے رنگ پر لے آتے۔ جب مرزا سلطان احمد صاحب وہاں پر پہنچے تو یہ انسانی بھیڑیے بھی شیردار بکریوں کی صورت میں آپ کے سامنے آئے مگر ان کو معلوم نہ تھا کہ مرزا ایسی مٹی سے نہ بنا تھا جو ان کی باتوں یا گھاتوں میں آجاتا۔ آپ نے ان کی وہ تواضع کی کہ آئندہ ہمیشہ کے لئے ان حاکموں کے دشمنوں، پبلک کے دشمنوں اور نفس کے بندوں نے حکام کو رسوا کرنے والی اپنی ایسی حماقتوں سے توبہ کرلی"۔ (نیرنگ خیال صفحہ نمبر۱۹ مئی جون ۱۹۳۴ء)

O

خان بہادر کا خطاب اور آپ کی بے التفاتی

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے انہی اوصاف حسنہ کا ثمرہ تھا کہ حکومت برطانیہ نے آپ کو "خان بہادر" کے خطاب سے نوازا تھا مگر ان کی اس خطاب سے بے التفاتی اور بے پرواہی کا یہ عالم تھا کہ "آپ انگریزوں کے عطا کئے ہوئے خطاب "خان بہادر" کو کوئی آسمانی خطاب نہ سمجھا کرتے تھے"۔ لیکن چونکہ آپ انگریزوں کے نقائص سے نہ آنکھیں بند کئے رہتے تھے اور نہ ان کے منکر تھے اور نہ ہی ان کا اقرار و اعلان کرنے سے باز رہتے تھے جیسا کہ بعض چھچھوروں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ سرکاری خطاب کو وہ عزت دیتے ہیں کہ اس کے بغیر نام تک نہیں لکھ پاتے۔ چنانچہ نیرنگ خیال میں لکھا ہے۔

"آپ عموماً اس خطاب کو اپنے نام کے ساتھ نہ لکھا کرتے تھے۔ سنا ہے کہ ایک دفعہ کسی انگریز افسر نے جو اپنے دیئے ہوئے خطاب کی بہت عزت کیا کرتے ہیں مرزا صاحب سے پوچھا کہ "ویل (WELL) **خان بہادر**" آپ اپنے دستخطوں کے ساتھ "**خان بہادر**" کیوں نہیں لکھتے۔ مرزا صاحب نے جواباً عرض کیا صاحب! خان بہادر کا خطاب سرکار سے مجھے اب ملا ہے اور مرزا صاحب کا لقب مجھے اَباً عَنْ جَدٍّ حاصل ہے۔ خان بہادر کا خطاب مشروط ہے اور مرزا صاحب کا خطاب غیر مشروط۔ اس لئے میں وہی خطاب عموماً اپنے نام کے ساتھ لکھتا ہوں جو ہر حال میں میرے نام کے ساتھ رہا اور رہے گا"۔

(نیرنگ خیال صفحہ ۲۲ مئی جون ۱۹۳۴ء)

O

مضمون نگار نے اس بارے میں ایک اور بات بھی لکھی ہے کہ (مرزا سلطان احمد صاحب) انگریزی سلطنت کو واقعی خدا کی ایک نعمت اور رحمت خیال کرتے تھے۔ اس عقیدہ کا اظہار انہوں نے اپنے بعض مضامین اور بعض کتابوں خاص طور پر اپنی کتاب "اساس الاخلاق" میں بشدومد کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "یہ اعتقاد ان کو ورثہ میں ملا تھا"۔

مضمون نگار اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

"ان کے آباء کی ریاست سکھوں کے دور میں لٹ گئی تھی۔ سکھوں کی بربادی کے بعد انگریزوں کا ظہور ہوا۔ ان کے دادا نے دشمن کے دشمن کو طبعاً عزت کی نظر سے دیکھا...... پھر ان کے بڑے چچا جن کے زیر سرپرستی انہوں نے تعلیم پائی تھی ان وجوہ کے علاوہ خود مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی ساری عمر سرکاری نوکری میں بسر ہوئی...... ظاہر ہے کہ ان کو ذاتی طور پر اس حکومت سے کوئی نقصان نہ ہوا تھا بلکہ اس حکومت کا ظہور ان کے خاندان کے دشمنوں (سکھوں۔ ناقل) کی بربادی کا موجب تھا"۔ (نیرنگ خیال صفحہ ۲۱ مئی جون۔ ۱۹۳۴ء)

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے انگریزی حکومت کی کیوں حمایت اور تعریف کی تھی اس کا ایک جواب تو خود مضمون نگار کے مضمون میں آگیا ہے مگر وہ حقیقی جواب جو ایمان پرور ہے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ان الفاظ میں یوں ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"مسلمانوں کو ابھی تک وہ زمانہ نہیں بھولا جب کہ وہ سکھوں کی قوم کے ہاتھوں ایک دہکتے تنور میں مبتلا تھے اور ان کے دست تعدی سے نہ صرف مسلمانوں کی دنیا ہی تباہ تھی بلکہ ان کے دین کی حالت اس سے بدتر تھی۔ دینی فرائض کا ادا کرنا تو درکنار اذان کہنے پر جان سے مارے جاتے تھے"۔

(اشتہار مطبوعہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۰ء)

کیا المیہ ہے جو آپ نے اس ایک فقرہ میں سمو دیا کہ "مسلمان سکھوں کے ہاتھوں ایک دہکتے ہوئے تنور میں مبتلا

تھے"۔ سوچئے! اور پھر سوچئے! کہ وہ لوگ جو آگ کے دہکتے تنور میں تڑپ رہے ہیں ان کی زندگیاں کن المناکیوں کا شکار ہوتی ہیں مگر یہاں تو مسلمانوں کی ظاہری زندگیاں ہی عذابوں میں مبتلا نہ تھیں کہ وہ ان المناکیوں پر صبر کرکے بیٹھ جاتے بلکہ ان کی دینی اقدار بھی تباہ و برباد ہو رہی تھیں۔ جن پر صبر کرنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ اس لئے وہ سکھوں کی تباہی اور انگریزی حکومت کی آمد پر اس کی تعریف کیوں نہ کرتے۔

O

حضرت صاحبزادہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی سعادت بخشی تھی کہ آپ بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ نبوی ﷺ سے بھی مشرف ہوئے اور اس طرح آپ نے یورپ میں جاکر انگریزی حکومت کے دجالی طلسمات کی چکاچوند کو بھی قریب سے دیکھا تھا۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ آپ ان میں سے کسی ایک سفر کے حالات بھی منظر اشاعت پر نہ لائے تھے۔ اس کی جب وجہ پوچھی گئی تو آپ نے جواباً فرمایا۔
مضمون نگار لکھتا ہے:۔

"ہمارے مرزا صاحب نے ۱۹۱۳ء یا ۱۹۱۴ء میں سفر ولایت بھی کیا اور حج بیت اللہ اور زیارت روضہ نبی کریم ﷺ سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ میں حیران تھا کہ ایسے پرنویس نے اپنے سفر ولایت کے متعلق کچھ لکھا۔ نہ سفر حجاز ہی کے متعلق کچھ خامہ فرسائی کی۔ ایک روز میں نے بر سبیل تذکرہ پوچھا کہ مرزا صاحب آپ نے ولایت کے حالات اور سفر نامہ حجاز کیوں نہیں لکھا؟ بے ساختہ کہنے لگے "لکھا کیوں نہیں۔ لکھا تو بہت کچھ پڑا ہے مگر شائع نہیں کیا"۔ سبب پوچھا کہ اس عدم اشاعت کا سبب؟ جواب دیا کہ "ولایت میں جو کچھ دیکھا ہے اگر شائع ہو جائے تو پھر آرام سے گھر بیٹھنا ناممکن ہو جائے گا۔ یقیناً معتوب ٹھہروں گا اور وہ بھی بری طرح اس کے لئے میں تیار نہیں۔ رہا حجاز کا سفر نامہ' وہاں کیا دیکھا۔ بس اتنا سن لو کہ اگر (بدوؤں) کو یقین ہو جائے کہ کعبہ کی بنیادوں کی نیچے خزانہ گڑھا ہوا ہے تو وہ لوگ ایسے ہیں کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ اگر وہاں کے حالات و مشاہدات لکھوں تو جگ ہنسائی کا ڈر ہے اور مسکرا کر یہ بھی کہا کہ مولویوں کے فتوؤں کا بھی خوف ہے۔ مسلمانوں پر جگ ہنسائی سے خود شرمندہ ہوں گا اور کافر کہلانے کا شوق نہیں"۔ (نیرگ خیال صفحہ ۲۲۔ ۲۳ مئی جون ۱۹۳۴ء)

آپ کی علمی ادبی خدمات

اور اب آخر میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی علمی و ادبی کاوشوں کی بابت کچھ عرض ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے مولانا شیخ عبدالقادر صاحب لائلپوری کے مطابق آپ نے کم و بیش پچاس بلند پایہ اور گرانقدر کتب تصنیف کی ہیں۔ (حیات طیبہ صفحہ ۱۴)۔

جب کہ صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کے نزدیک آپ کی "کل تصانیف (چھوٹی بڑی) غالباً ستر کے قریب ہوں گی"۔ (الفضل ۲۱ ستمبر ۱۹۶۷ء)

اور آپ کے علمی و ادبی مقام کا یہ حال تھا کہ آپ کی زندگی میں ایسا کوئی علمی و ادبی رسالہ جاری نہ ہوا تھا جس کی آراستگی کا موجب آپ کے رشحات قلم نہ ہوتے ہوں۔

نیرنگ خیال کا مضمون نگار لکھتا ہے:۔

" اردو زبان کا وہ زبردست فلسفی مضمون نگار اور بلند پایہ مصنف جو قریباً نصف صدی تک اردو کی ادبی دنیا پر چھایا رہا اور جس کے زمانے میں اردو کا کوئی ادبی اور علمی رسالہ اپنی ابتداء نہیں کیا کرتا تھا اور نہ کر سکتا تھا۔ جب تک اپنے قلمی معاونین کی فہرست میں بکمال امتیاز و اختصاص و افتخار مرزا سلطان احمد مرحوم کا نام سرلوح درج نہ کرلیتا ہو۔ لیکن اب جب وہی رسالہ جات کا علمی سرپرست وفات پاجاتا ہے تو وہی رسالے۔اور ان کے دیگر بھائی بند اردو رسائل اتنا اعلان بھی نہیں کرتے کہ آج ان کا محسن' اردو کا بے ریا اور مخلص خادم اس دنیا سے اٹھ گیا۔ آہ! کیسی ناشکر گزار ہے یہ دنیا"۔ (نیرنگ خیال صفحہ ۹ مئی جون ۱۹۳۴ء)

حضرت مرزا سلطان صاحب کی ان علمی و ادبی خدمات کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے مضامین **منشور محمدی بنگلور** "ادیب" الہ آباد۔ "زمانہ" کانپور۔ "مخزن" لاہور اور "العصر" لکھنؤ میں خاص اہتمام سے شائع ہوتے تھے اور ہمعصروں میں خاص قدر و منزلت کی نگاہ سے پڑھے جاتے تھے اور آپ کو حلقہ ادیباں میں یہ مقام و مرتبہ حاصل تھا کہ ارشد تھانوی نے اپنے مجموعہ کلام "حسن تخیل" کو حضرت صاحبزادہ صاحب کے نام سے معنون کیا اور آپ نے اس کا مفصل مقدمہ لکھا۔

علامہ اقبال اور **اکبر الہ آبادی** نے آپ کو اپنے دل و نگاہ میں جگہ دی اور آپ سے راہ و رسم اور مراسلت جاری رکھیں یہاں تک کہ ۱۹۱۲ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ سالانہ کے ایک اجلاس کی صدارت آپ نے کی اور دوسرے اجلاس کی صدارت فقیر وحیدالدین فقیر نے کی تو علامہ اقبال نے ہر دو کو خراج تحسین پیش کیا۔

علامہ اقبال اور **اکبر الہ آبادی** سے حضرت صاحبزادہ صاحب کے تعلقات کی گہرائی اور گیرائی کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر الہ آبادی نے دو دسمبر ۱۹۰۵ء سے اپنی وفات تک آپ سے سلسلہ خط و کتابت جاری رکھا اور حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی معرکہ الاراء کتاب "فن شاعری" ان کے نام سے منسوب کی نیز اپنی بلند پایہ کتاب "فنون لطیفہ" کو علامہ اقبال کے نام سے معنون کیا۔ اس طرح آپ کے ان شخصیات سے علمی رابطے قائم رہے۔ اکبر الہ آبادی نے ایک خط میں لکھا:۔

"گل و بلبل" کا مضمون خطیب میں آپ نے خوب لکھا ہے۔ میں اور اقبال دونوں آپ کے مداح اور شکر گزار

ہیں۔ (۷ ستمبر ۱۹۱۵ء بحوالہ نوائے وقت یکم دسمبر ۱۹۷۷ء)

ہفت روزہ لاہور ۹۳-۱۰-۸ کی اشاعت میں اکبر الہ آبادی کے حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد کے نام بعض خطوط شائع ہوئے تھے ان میں سے چند خطوط کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں۔ جناب اکبر الہ آبادی رقمطراز ہیں۔

"شاعری پر آپ نے خوب مضامین لکھے"۔ خط محررہ ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

پھر ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"اتفاق کی بات ہے کہ آپ کے مضمون "دعا" پر نظر پڑی اور محنت سے میں نے اس کو پڑھا۔ آپ کو داد دینے والا تھا کم سے کم جزاک اللہ مرحبا تو کہہ دیتا............ آپ نے خوب فرمایا مذہب برائے خود دعا ہے ہندوستان میں اب اس قابلیت اور دل و دماغ کے جیسا کہ آپ ہیں غالباً بہت کم لوگ ہیں میں تو اس سے تسکین پاتا ہوں کہ اس طبیعت کے لوگ موجود ہیں"۔ (خط محررہ ۲۸ مئی ۱۹۰۷ء)

پھر لکھتے ہیں:۔

"کتاب "خیالات" پہنچی قدر افزائی اور یاد آوری کا شکریہ بھی ادا کیا کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے اس ملک میں ہنوز ایسے دل و دماغ قائم رکھے ہیں"۔ (خط محررہ ۲۳ جولائی ۱۹۰۷ء)

پھر اسی خط میں مزید لکھتے ہیں:۔

مولوی محمد نذیر صاحب مدرس اول مدرسہ سبحانیہ جو بڑے مشکل پسند اور دوست بزرگ ہیں۔ آپ کا رسالہ "فن شاعری" مجھ سے دیکھنے کے لئے لے گئے۔ میں ڈرتا تھا کہ مولانا ایک درجن اعتراض کے ساتھ واپس کریں گے لیکن جمعہ گزشتہ کو وہ تشریف لائے۔ اور بہت مدح کی بلکہ آپ کے وسعت مذاق اور صفائے ادراک اور صحت خیال پر ان کو حیرت ہوئی۔ قیاس کرتا ہوں کہ شاعری کی فلاسفی نیچر نے آپ کو تحفہ میں دی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کے دل کی نسبت اپنے صانع کے ساتھ درست ہے۔"

آپ کا وصال

بیعت کے کچھ عرصہ بعد یہ نابغہ روزگار وجود ۲ جولائی ۱۹۳۱ء بعمر ۸۰ سال وفات پا گئے۔ اسی روز پونے پانچ بجے آپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ اور حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے ایک بڑے مجمع کے ساتھ آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ اور مزار حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے شرقی جانب تدفین ہوئی۔

آپ کی تصانیف اور مضامین

آخر میں، میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی ان کتب کے نام لکھنا چاہتا ہوں جن کی فہرست حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر

احمد صاحب ایم اے نے اپنے مضمون میں پیش کی ہے اور وہ یہ ہیں۔ ۱۔ فرحت ۲۔ چند نثر نما نظمیں ۳۔ مجموعہ ایک اعلیٰ ہستی جبر و قدر ۴۔ ایک اعلیٰ ہستی ۵۔ مراۃ الخیال ۶۔ فنون لطیفہ ۷۔ ضرب الامثال ۸۔ صدائے الم ۹۔ نظم خیال ۱۰۔ زمیندارہ بنک ۱۱۔ علوم القرآن ۱۲۔ اخلاق، مذہب قانون ۱۳۔ اساس الاخلاق ۱۴۔ چودہ عدد فائل ہائے مختلف مضامین ۱۵۔ مثنوی اسرار خودی ایک قلمی مضمون ۱۶۔ الوجد لے لے (الفضل ۲ ستمبر ۱۹۶۷ء)

(نوٹ) اندازہ ہے کہ آپ کی تصنیفات ۸۰ (اسی) کے لگ بھگ ہیں مگر بہت کم تعداد میں لائبریری کی زینت بنی ہیں۔ آپ کے مضامین اور تصنیفات نے علمی ادبی اور مذہبی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔

الف: مذکورہ کتب کے علاوہ مرکزی لائبریری ربوہ میں مندرجہ ذیل کتب و مسودات موجود ہیں۔ ۱۔ فن شاعری ۲۔ الصلوۃ ۳۔ رفیق ۴۔ نبوت ۵۔ ملت اور معاملات قومی ۶۔ مدینہ کانفرنس ۷۔ راز الفت حصہ اول ۸۔ ترانہ حجازی بجواب نغمہ طنبوری

ب: برصغیر کے علمی ادبی اور مذہبی جرائد و رسائل میں آپ کے بلند پایہ مضامین ۱۹۰۲ سے لے کر ۱۹۲۸ء تک شائع ہوتے رہے۔ مرکزی لائبریری میں آپ کے مضامین کا ریکارڈ موجود ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

مضامین کی تعداد۔ ۲۳۰۔ طبع شدہ صفحات ۲۰۰۱ تعداد جرائد و رسائل جن میں مضامین شائع ہوئے ۶۱۔

چند مشہور جرائد و رسائل جن میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔

۱۔ راہنمائے تعلیم ۲۔ تعلیم و تربیت ۳۔ تعلیمی گزٹ امرتسر ۴۔ خیال ۵۔ تمدن ۶۔ مخزن ۷۔ مغلیہ گزٹ لاہور ۸۔ الناظر ۹۔ عصر جدید ۱۰۔ زمانہ ۱۱۔ نقیب ۱۲۔ ناظرہ ۱۳۔ صوفی ۱۴۔ انکشاف ۱۵۔ نقاد ۱۶۔ الفلاح ۱۷۔ القریش امرتسر ۱۸۔ یدبیضا ۱۹۔ زمیندارہ گزٹ لاہور ۲۰۔ صحیفہ وارث ۲۱۔ پیشوائے دین ۲۳۔ نظام المشائخ ۲۴۔ انسان امرتسر ۲۵۔ تصوف لاہور ۲۶۔ ادیب ناگپور ۲۷۔ ریویو آف ریلیجنز ۲۸۔ الحکم کراچی۔ ۲۹۔ شباب اردو ۳۰۔ الکمال لاہور ۳۱۔ دین و دنیا دہلی ۳۲۔ ترجمان ۳۳۔ الادب ۳۴۔ افادہ

ج: ماہنامہ نقوش لاہور آپ بیتی نمبر کے مطابق آپ کی ۷۴ کتب شائع ہوئیں۔

آپ کے بارہ میں علمی و ادبی حلقوں کے تاثرات

آپ نے قوت تحریر اور زور قلم سیدنا حضرت مسیح موعود سے ورثہ میں پایا تھا۔ آپ کے مضامین بڑے فلسفیانہ، اخلاقی اور علمی ہوتے تھے۔ جو رسائل و جرائد فخریہ شائع کرتے تھے۔ "ادبی دنیا" کے ایڈیٹر شمس العلماء احسان اللہ خاں ۔۔۔ر نجیب آبادی نے آپ کے انتقال کو اردو ادب کے لئے بہت بڑا نقصان قرار دیتے ہوئے لکھا۔

باقی ص ۴۱ پر

قیامِ پاکستان کیلئے جماعت احمدیہ کی بے لوث خدمات

محترم عبد القدیر صاحب مربی سلسلہ احمدیہ

مغلیہ دورِ حکومت کے بعد برصغیر ہندوستان کی اقوام غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں اور مسلمان جن سے انگریزوں نے اقتدار حاصل کیا تھا وہ خاص طور پر ادبار و نکبت کا شکار تھے۔ ان کی وفاداریاں مشکوک تھیں۔ ان کی مذہبی، علمی، معاشرتی اور اقتصادی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ باہمی اتحاد و اتفاق اور قیادت نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اس تاریک زمانہ میں احیائے دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے امام الزمان حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ .... کو مامور فرمایا۔ آپ کی بعثت اقوامِ عالم کو دینِ واحد پر جمع کرنے کے لئے تھی۔ چنانچہ سیدنا حضرت اقدس .... فرماتے ہیں:۔

"میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تا ایمانوں کو قوی کروں اور خدا تعالیٰ کا وجود لوگوں پر ثابت کر کے دکھلاؤں۔ کیونکہ ہر ایک قوم کی ایمانی حالتیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں۔ اور عالمِ آخرت صرف ایک افسانہ سمجھا جاتا ہے .... سو میں بھیجا گیا ہوں کہ تا سچائی اور ایمان کا زمانہ پھر آئے اور دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ سو یہی افعال میرے وجود کی علتِ غائی ہیں۔" (کتاب البریہ صفحہ ۲۹۲-۲۹۳)

نیز فرمایا:۔

"یہ عاجز تو محض اس غرض کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچا دے کہ دنیا کے مذاہب موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر ہے اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن کریم لایا ہے۔" (حجۃ الاسلام صفحہ ۱۲-۱۳)

سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ آپ تمام بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کی سچی توحید اور قرآن کی حکومت کے قیام کے لئے مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کی اس دعوت کے اوّلین مخاطب برصغیر میں بسنے والے تمام اقوام و مذاہب کے لوگ تھے۔ آپ نے سب کو پیغامِ امن و محبت دیا۔ اور صلح و آشتی کی طرف بلایا۔ اور یہی وہ عظیم مقصد تھا جس کے لئے جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا مگر ہندوستان کے مسلمان جس حالتِ زار سے دوچار تھے اس کے پس منظر کا منطقی نتیجہ تھا کہ

ان کی مخالف اکثریت اپنے سیاسی اور اقتصادی عزائم پورا کرنے کی جدوجہد کرتی۔

انیسویں صدی کے آخر میں محکوم اور غلام ہندوستان کے حقوق کے لئے آل انڈیا کانگریس قائم ہوئی۔ مگر اس کی تمام تر توجہ ہندو اکثریت کے حقوق کا تحفظ تھا۔ ہندو قوم نے کانگریس کے سایہ تلے اپنا تابناک مستقبل دیکھ لیا تھا۔ اور اس خطرے سے بچنے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ مسلمانوں کے مذہبی اقتصادی اور سیاسی حقوق کا تحفظ ہو۔

ہر ذی شعور یہ بھانپ چکا تھا کہ کانگریس کے ساتھ مل بیٹھنے میں مسلمانوں کی خیر نہیں۔ اس لئے مسلم قومیت نے آل انڈیا مسلم لیگ کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ مگر ایک فرقہ زہاد اور طبقہ علماء ایسا بھی تھا جس نے نہ صرف کانگریس کا ساتھ دیا بلکہ مسلم لیگ کی مخالفت کی۔

اس نازک دور میں مسلمانوں کے حقوق کے لئے جماعت احمدیہ سامنے آئی اور مسلم حقوق کے لئے جدوجہد کی۔ ۱۹۲۲ء تک کے اس دور میں جبکہ مسلمان عوام اور علماء اوروں کے ہاتھ میں کھیل رہے تھے۔ اس وقت پورے ملک میں تنہا جماعت احمدیہ ہی ایک دینی جماعت تھی جو ثابت قدمی سے اپنے محبوب امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی زیر قیادت مسلم لیگ کی حقیقی روح اور بنیادی اغراض و مقاصد کی علمبردار رہی۔ یہی وہ ہیجان خیز دور ہے جس میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے "معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا رویہ" "ترکِ موالات اور اسلام" جیسی بے نظیر کتابیں لکھ کر مسلمانانِ ہند کی بروقت راہ نمائی فرمائی۔ اور ان کی صحیح منزل کو متعین فرمایا۔

۱۹۱۹ء کے نافذ کردہ انڈیا ایکٹ میں کئے گئے وعدہ کے مطابق ۱۰ سال بعد ایک کمیشن "سائمن کمیشن" کے نام سے تشکیل دیا گیا جس کا کام یہ تھا کہ وہ اہلِ ہند کے مطالبات کا جائزہ لے کر یہ رپورٹ مرتب کرے کہ وہ حکومتِ خود اختیاری کی کس حد تک صلاحیت رکھتے ہیں۔ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں نے اس کمیشن کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ اس نازک موقعہ پر حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی نے "مسلمانانِ ہند کے امتحان کا وقت" شائع فرما کر مسلمانوں کے سامنے اہم تجاویز پیش کیں اور فرمایا کہ مسلم لیگ کو اس کمیشن کا بائیکاٹ نہ کرنا چاہئے کیونکہ موتی لال نہرو اور جان سائمن جو اس کمیشن کے سربراہ تھے کئی مہینے اکٹھے رہے ہیں۔ اس لئے ہندوؤں کے مطالبات اور ان کے مؤقف سے اچھی طرح آگاہ

اس لئے مسلمانوں کو اس کمیشن کے سامنے اپنا مؤقف اور مطالبات ضرور پیش کرنے چاہئیں۔ چنانچہ احمدیت کے ایک نامور سپوت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مسلمانوں کے مطالبات نہایت قابلیت اور احسن پیرایہ میں اس کمیشن کے سامنے پیش کئے۔

ابھی کمیشن کی رپورٹ شائع بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہندوؤں نے ایک کانفرنس (جس کو آل پارٹیز کانفرنس کا نام دیا گیا۔ حالانکہ اس کانفرنس میں ہندوؤں کے نمائندوں کے بالمقابل مسلمانوں کے صرف ۲ نمائندے وہ بھی وہ جو کانگرس کے نمک خوار تھے شامل ہوئے) منعقد کر کے اپنے مطالبات "نہرو رپورٹ" کی صورت میں شائع کر دیئے اور ان مطالبات کو ہندوستان کی تمام جماعتوں کے متفقہ مطالبات کا نام دیا اور اس رپورٹ میں یہ ظاہر کیا کہ مسلمان مشترکہ انتخابات قبول کر لیں گے۔ یہ رپورٹ شائع ہو کر ہندوستان اور انگلستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دی گئی۔ اس میں مسلمانوں کو ہندوؤں کا غلام بنانے کی سازش تیار کی گئی تھی۔ اس سازش کو ناکام بنانے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے نکتۂ نگاہ سے حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی نے

"مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ"

ایسی باطل شکن کتاب لکھی جس میں مسلمانوں کے مطالبات کا ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ معقول ہونا ثابت کیا اور نہرو رپورٹ کی دھجیاں بکھیر دیں۔ ہندوؤں کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کا جُداگانہ انتخابات کا مطالبہ تسلیم نہ ہونے پائے۔ جبکہ جماعت احمدیہ کی کوششیں یہ مطالبہ منظور کروانے کے لئے تھیں۔

حضرت امام جماعت الثانی نے ۲۳۔ جون ۱۹۲۴ء کو مسلم لیگ کے اجلاس کے لئے اور ۱۶۔ جولائی ۱۹۲۵ء کو آل پارٹیز کانفرنس منعقدہ امرتسر کے لئے ۲ بیش قیمت مضامین تحریر فرمائے۔ جن میں مسلم اقلیت کی قومی حیات کے لئے نہایت قیمتی نصائح فرمائیں۔ نیز ۱۹۲۷ء میں شملہ کانفرنس کے دوران قائداعظم اور دوسرے زعماء کے سامنے مسلمانوں کی جداگانہ نیابت کی ضرورت پر ایسی رواں اور مؤثر تقریر فرمائی کہ جس کے اثر سے حاضرین کی اکثریت کی رائے جُداگانہ طریق انتخاب کے حق میں ہو گئی۔

امام جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کی اس بے لوث مساعی کو مسلمان لیڈروں نے بہت سراہا۔ اور بے اختیار نعرہ ہائے تحسین بلند کئے۔ چنانچہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے الاعلان لکھا کہ

"ناشکر گزاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کردی ہیں ...... اور وہ وقت دور نہیں جبکہ ...... اس منظم فرقہ کا طرزِ عمل سوادِ اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمتِ اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں، مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔"

(ہمدرد دہلی ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

اسی طرح اخبار مشرق گورکھپور نے لکھا

"جناب امام صاحب جماعت احمدیہ کے احسانات تمام مسلمانوں پر ہیں۔ آپ ہی کی تحریک سے ورتمان پر مقدمہ چلایا گیا۔ آپ کی ہی جماعت نے رنگیلا رسول کے معاملے کو آگے بڑھایا، سرفروشی کی اور جیل جانے سے بھی خوف نہیں کھایا...... اور اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں کے ہیں سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جمعیت سے مرعوب نہیں ہے اور خاص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے۔"

(مشرق ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)

جون ۱۹۳۰ء میں سائمن کمیشن کی رپورٹ شائع ہوئی تو اس میں بیان کردہ سفارشات سے ہندوستانی لیڈر مطمئن نہ ہوئے اور ملک میں بدامنی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ جس پر انگریزی حکومت نے اعلان کیا کہ ملک معظم کی حکومت ہندوستان کو نوآبادیات کے طرزِ حکومت پر خود اختیاری دینا تسلیم کرتی ہے مگر اس کا فیصلہ کرنے کے لئے پارلیمنٹ کے نمائندوں اور ہندوستانی سیاست دانوں کی ایک گول میز کانفرنس منعقد کی جائے گی اور اس کانفرنس میں کوئی خاص سکیم زیرِ غور نہیں آئے گی۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی دوربین نگاہ نے یہ بھانپ لیا کہ اس کانفرنس میں سب سے زیادہ توجہ سائمن کمیشن کی رپورٹ ہی حاصل کرے گی۔ اس لئے آپ نے مسلمانوں کے حقوق کی مؤثر ترجمانی کا حق ادا کرنے کے لئے "ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسائل کا حل" جیسی معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی۔ مسلمانوں کے حقوق کی ترجمانی میں شائع ہونے والی یہ ایک واحد کتاب تھی جس میں معقولیت کے ساتھ مسلمانوں کے مطالبات کو پیش کیا گیا تھا۔ اس کتاب کے بر موقع

شائع ہونے پر تمام بڑے بڑے مسلمان لیڈروں نے امام جماعت احمدیہ کا شکریہ ادا کیا اور اخبارات نے عمدہ پیرایہ میں اس پر ریویو کئے۔ جناب عبدالمجید خان سالک صاحب جو برصغیر کے ممتاز اور معروف صحافی تھے نے ۱۶۔ نومبر ۱۹۳۰ء کے اخبار "انقلاب" میں لکھا کہ

"جناب مرزا صاحب نے اس تبصرہ کے ذریعہ بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ بڑی بڑی اسلامی جماعتوں کا کام تھا جو مرزا صاحب نے انجام دیا ہے۔"

مولانا غلام رسول مہر نے ۲۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کے اخبار "سیاست" میں اس کتاب کی تصنیف کو "قابلِ تعریف کام" قرار دیتے ہوئے لکھا کہ کوئی منصف مزاج مسلمان اور حق شناس انسان اسے خراجِ تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تین سالوں پر محیط عرصہ میں گول میز کانفرنس کے نام پر ۳ کانفرنسیں ہوئیں۔ مسلمانوں کی نمائندگی میں قائداعظم۔ سر آغا خاں۔ علامہ اقبال اور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مختلف اوقات میں ان کانفرنسوں میں شرکت کی۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے تینوں کانفرنسوں میں شمولیت کی اور آپ نے مسلمانوں کا کیس اس خوبی کے ساتھ پیش کیا کہ سارے ہندوستان میں آپ کی قابلیت اور سیاسی سمجھ بوجھ کی دھاک بیٹھ گئی اور ہر طرف سے آپ کی کوششوں کو سراہا گیا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اخبار منادی مورخہ ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں لکھا کہ

"سر ظفر اللہ خان، سیاسی عقل ہندوستان کے ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں .... گول میز کانفرنس میں ہر ہندو اور مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری صاحب کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ .... اگر کوئی ایسا آدمی ہے جو فضول اور بیکار بات زبان سے نہیں نکالتا اور نئے زمانہ کی پالیٹکس کو سمجھتا ہے تو وہ چوہدری ظفر اللہ ہے..... ظفر اللہ ہر انسانی عیب سے پاک اور بے لوث ہے۔ تحریک پاکستان کے مؤرخ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" کے صفحہ ۱۴۔ ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ "گول میز کانفرنس کے مندوبین میں سب سے زیادہ کامیاب آغا خان اور چوہدری ظفر اللہ خان ثابت ہوئے۔"

O

ہندوؤں کی عیارانہ ذہنیت اور اپنوں کی فریب کارانہ سرشت سے قائداعظم ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل سے سخت مایوس ہو گئے اور ہندوستانی سیاست کو خیرباد کہہ کر انگلستان

بیں جا بسے۔ اس مرحلہ پر امام جماعت احمدیہ نے محسوس کیا کہ مسلمانانِ ہند اپنے ایک لائق، قابل اور حقیقی خیر خواہ سیاسی لیڈر سے محروم ہوگئے ہیں اور ان کے بغیر مسلمانوں کی قیادت کا حق ادا کرنے والا کوئی سیاستدان نہیں۔ چنانچہ آپ نے لندن میں مولانا عبد الرحیم صاحب درد کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ قائد اعظم کو ہندوستان واپس آنے پر آمادہ کریں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے پے در پے ملاقاتوں کے ذریعہ قائد اعظم کو قائل کیا کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو اس وقت ان کی اشد ضرورت ہے اور وہ واپسی پر آمادہ ہوگئے۔

تحریک پاکستان کے ممتاز صحافی اور کالم نگار میاں محمد شفیع المعروف م ش لکھتے ہیں کہ

"یہ مسٹر لیاقت علی خان اور مولانا عبد الرحیم درد امام (بیت) فضل لندن ہی تھے جنہوں نے مسٹر محمد علی جناح پر زور دیا کہ وہ اپنا ارادہ بدلیں اور وطن واپس آکر قومی سیاست میں اپنا کردار ادا کریں۔"

(پاکستان ٹائمز لاہور ۱۱۔ستمبر ۱۹۸۱ء)

O

قائد اعظم ۱۹۳۴ء میں ہندوستان واپس آئے اور مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں بلا مقابلہ منتخب ہوگئے۔ ۱۹۳۵ء میں حکومت برطانیہ نے انڈیا ایکٹ کا اعلان کرتے ہوئے مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کا حق تسلیم کر لیا۔ اس کے ماتحت ۳۷-۱۹۳۶ء میں انتخابات ہوئے۔ کانگرس نے ہندو اکثریت کے چھ صوبوں میں نمایاں برتری حاصل کر لی۔ مسلم لیگ جو ابھی اپنی تنظیم نو کے مراحل میں تھی کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کا رویہ کانگرس سے مفاہمت کا تھا۔ لیکن کانگرسی لیڈر مسلمانوں کو کوئی اہمیت دینے پر تیار نہ تھے۔ آخر ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے کھلم کھلا پاکستان کو اپنی منزل قرار دیتے ہوئے ملک کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کے لئے زندگی و موت کا مسئلہ بن گئے۔ جہاں قائد اعظم نے ان انتخابات میں نمایاں کامیابی کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا وہاں جماعت احمدیہ کا ایک ایک فرد بھی مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے بیٹھا تھا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے جماعت کو ہدایت فرمائی کہ

"آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی تائید کرنی چاہیئے۔ تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلا خوف تردید کانگرس سے کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔"

(الفضل ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

اپنے امام کی آواز پر افراد جماعت نے جس طرح والہانہ طریق پر لبیک کہا اس کا اقرار غیروں نے بھی کیا۔ سردار شوکت حیات صاحب کا بیان ہے کہ جب وہ ان انتخابات کے سلسلہ میں قائداعظم کا پیغام لے کر مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے پاس گئے کہ ان کے لئے دعا بھی کی جائے اور دوا بھی تو انہوں نے کہا

"صاحب دعا تو ہم ہر وقت کرتے ہیں اور دوا یہ ہے کہ قادیانی جماعت کا کوئی بھی آدمی مسلم لیگ کے امیدوار کے خلاف کھڑا نہیں ہوگا۔"

چنانچہ ممتانہ، دولتانہ، نواب محمد دین قادیانی کی نشست پر کامیاب ہوئے۔" (ہفت روزہ لاہور ۵ ستمبر ۱۹۸۷ء)

اسی طرح احمدیت کے شدید معاند مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بٹالہ سے کھڑے تھے کو احمدیوں نے ووٹ دے کر کامیاب کروایا۔

⭘

جب ۲۵- فروری ۱۹۴۷ء کو لندن سے یہ اعلان ہوا کہ برطانوی گورنمنٹ جون ۱۹۴۸ء تک تمام اختیارات ہندوستان کے سپرد کر دے گی تو اس وقت پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی۔ اور خضر حیات ٹوانہ وزیراعظم پنجاب کو ہندوؤں اور سکھوں کی تائید حاصل تھی۔ اس لئے پنجاب کی اسمبلی کا مسلم لیگ کی خواہش کے مطابق پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کرنا ناممکن تھا۔ اور پنجاب کے بغیر پاکستان نہیں بن سکتا تھا مسلم لیگ نے اپنے ایک خاص وفد کے ذریعہ کوشش کی کہ خضر حیات صاحب مسلم لیگ کے ساتھ اتفاق کر لیں۔ لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ان انتہائی نازک اور پریشان کن حالات میں حضرت امام جماعت الثانی نے پاکستان کے قیام میں حائل اس روک کو دور کرنے کے لئے کامیاب کوشش فرمائی اور ایک خط لکھ کر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو ان کے پاس بھجوایا۔ جس پر خضر حیات صاحب استعفیٰ دینے پر رضامند ہو گئے۔ قائداعظم نے اپنے ایک بیان میں خضر حیات صاحب اور ان کی کابینہ کے استعفیٰ دینے پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ اخبار ٹریبیون ۵- مارچ اور اخبار ملاپ ۲۰- فروری نے واضح الفاظ میں لکھا کہ خضر حیات صاحب کا استعفیٰ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی ملاقات کے نتیجہ میں دیا گیا ہے۔

⭘

۳۰- جون ۱۹۴۷ء کو پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے لئے ایک حد بندی کمیشن کے تقرر کا اعلان ہوا۔ اس باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے قائداعظم کی نظر انتخاب احمدیت

کے مایہ ناز سپوت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب پر پڑی۔ جنہوں نے تیاری کے مختصر ترین وقت کے باوجود انتہائی مشکل حالات میں مسلم اقلیت کے حقوق کی ترجمانی کا اس طور پر حق ادا کیا کہ ہر مسلمان آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہو گیا۔ جناب حمید نظامی صاحب نے اپنے اخبار نوائے وقت مورخہ یکم اگست ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں چوہدری صاحب کی بحث کو نہایت مدلّل، نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول قرار دیتے ہوئے لکھا۔

"سر ظفر اللہ خاں صاحب کو کیس کی تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلالحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف اور شکر گزار ہوں گے۔"

۱۹۵۳ء میں احمدیوں کے خلاف برپا ہونے والے فسادات کی انکوائری کے لئے قائم کئے گئے عدالتی کمیشن کے سامنے جب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی ذات پر گند اچھالا گیا تو جسٹس محمد منیر صاحب نے اپنی اس عدالتی رپورٹ میں لکھا کہ

"عدالت ہٰذا کا صدر جو اس باؤنڈری کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے گورداسپور کے معاملہ میں کی تھی ...... چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۰۹)

O

قیام پاکستان کے معرکہ میں جماعت احمدیہ نے جس شان سے حصہ لیا اس کا اندازہ مؤرخ پاکستان مولانا رئیس احمد جعفری کے مندرجہ ذیل بیان سے ہو سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"مسلم قوم کی مرکزیت پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش، عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح، نجاح و مرام کی کامیابی، تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار کون کر رہا ہے؟ .... جماعت حزب اللہ داعی اور امام الہند؟ نہیں! پھر کون؟ وہ لوگ جن کے خلاف کفر کے فتووں کا پشتارہ موجود ہے، جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے۔ جن کا ایمان جن کا عقیدہ مشکوک، مشتبہ اور محل نظر

ہے۔ کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے ۔

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے "

(قائد اعظم اور ان کا عہد)

جماعت احمدیہ کی قیامِ پاکستان کے سلسلہ میں مذکورہ بالا مجاہدانہ اور سرفروشانہ خدمات پر دہلی کے اخبار "ریاست" نے اپنے ایک ادارتی نوٹ میں طنزاً لکھا کہ آج احمدی پاکستان کی تائید کر رہے ہیں مگر جب پاکستان قائم ہو گیا تو ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائے گا جو افغان حکومت نے کابل میں احمدیوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس پر امام جماعت احمدیہ نے ۱۶۔ مئی ۱۹۴۷ء کو ایک پُرشوکت تقریر فرمائی جس میں مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے مطالبہ پاکستان کی معقولیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی نیز اعلان فرمایا کہ مسلمان مظلوم ہیں اور ہم تو بہر حال مظلوموں کا ساتھ دیں گے، خواہ ہمیں تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے ۔

(الفضل ۲۱۔ مئی ۱۹۴۷ء)

جماعت احمدیہ کی مسلم کاز (CAUSE) کے لئے طویل جدوجہد اور بے لوث خدمات تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔ جو سنہری حروف سے رقم کئے جانے کے قابل ہیں۔ اور یہ تاریخ وطن کے انمٹ نقوش ہیں جنہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

جامعہ احمدیہ میں داخلہ کا انٹرویو ۲۰۔ اگست کو ہوگا

امیدواران کا انٹرویو مورخہ ۲۰۔ اگست ۱۹۹۵ء بروز اتوار بوقت ۷۔ بجے صبح ہوگا۔ جماعت کے ایسے ذہین، ہونہار، اور خدمت دین کا شوق رکھنے والے نوجوان اپنی درخواست مقامی جماعت کے امیر صاحب / صدر صاحب کی وساطت سے وکالت دیوان تحریک جدید ربوہ کو ارسال کریں۔ امیدوار کا فرسٹ ڈویژن میٹرک کا ہونا ضروری ہے۔ تاہم سیکنڈ ڈویژن کے لئے ایک ماہ کا کورس ہوگا۔ جس میں کامیابی کی بناء پر داخلہ کنفرم ہوگا۔ میٹرک پاس امیدوار کی عمر کی حد ۱۷۔ سال اور ایف اے / ایف ایس سی کیلئے ۱۹۔ سال ہے۔ درخواست میں نام۔ ولدیت۔ تاریخ پیدائش۔ عمر۔ تعلیم۔ امتحان میں حاصل کردہ نمبر اور مکمل پتہ درج کریں۔ امیدوار قرآن کریم ناظرہ صحت کے ساتھ پڑھنا سیکھیں۔ روزانہ تلاوت اور سلسلہ احمدیہ کی کُتب کا مطالعہ کرتے رہیں۔ دینی معلومات اور معلوماتِ عامہ کو بہتر بنائیں۔ (وکیل الدیوان تحریک جدید ربوہ)

بقیہ: ایمان افروز اور رُوح پرور۔ روایات

عشق و اطاعت کی بدولت فنائی الرسول ﷺ کا وہ مقام پایا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ محبت اور فدائیت میں آپ کے دل اور جان گداز تھے اور آپ کی مقدس حیات کا ہر لمحہ' آپ کے اقوال و افعال آپ کا ظاہر و باطن حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر فدا نظر آتا ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّکَ دَائِمًا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا وَبَعْثٍ ثَانٍ

(ن۔ خ۔ ن)

بقیہ: حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحبؒ

الختصر یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ علم و ادب کا میدان ہو یا عمل و تدبیر کا حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کو ایک نہایت محترم اور منفرد مقام حاصل ہے۔ آپ نے اپنی زندگی تقویٰ خدا ترسی دیانتداری اور حسن تدبیر سے گزاری اور اپنے پیچھے نہایت شاندار روایات اور انمٹ نقوش چھوڑ گئے۔ خدا تعالیٰ اس پاک طینت وجود کو اپنے قرب خاص میں بلند درجات عطا کرے۔

بقیہ حاشیہ: حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحبؒ

"دنیائے ادب' اردو ادب کے نامور بلند نظر اور فاضل ادیب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب سے محروم ہو گئی۔ آپ نہایت قابل انشاء پرداز تھے اردو کا کوئی حصہ ان کے رشحات قلم سے محروم نہ رہا ہوگا"۔

(ادبی دنیا بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ششم صفحہ ۳۲۱)

"حمایت اسلام" لاہور نے لکھا:

"خان بہادر صاحب مرحوم نے علم و ادب پر جو احسانات کئے ہیں وہ کبھی آسانی سے فراموش نہیں کئے جا سکتے"۔

(تاریخ احمدیت جلد ششم صفحہ ۳۲۱)

"سیاست جدید" کانپور نے لکھا:

"اس بیسویں صدی کے شروع کے بیس سالوں میں اردو کے کسی بھی قابل ذکر رسالہ کو اٹھا کر دیکھ لیجئے اس کے مضمون نگاروں میں ایک نام مرزا سلطان احمد کا ضرور نظر آئے گا۔ عمومی فلسفیانہ موضوعوں پر قلم اٹھاتے تھے ان کے مضامین عام اور عوامی سطح سے بلند اور سنجیدہ مذاق والوں کے کام کے ہوتے تھے۔ رسالہ الناظر مشہور زمانہ کانپور۔ ادیب الہ آباد' مخزن لاہور' پنجاب لاہور وغیرہ میں ان کی گلکاریاں نظر آتی تھیں۔" (ایڈیٹر)

میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں

"صادق تو ابتلاؤں کے وقت بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ آخر خدا ہمارا ہی حامی ہوگا اور یہ عاجز اگرچہ ایسے کامل دوستوں کے وجود سے خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ بھی ایمان ہے کہ اگرچہ ایک فرد بھی ساتھ نہ رہے اور سب چھوڑ چھاڑ کر اپنا اپنا راہ لیں۔ تب بھی مجھے کچھ خوف نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ اگر میں پیسا جاؤں اور کچلا جاؤں اور ایک ذرّے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں۔ تب بھی **میں آخر فتحیاب ہوں گا۔** مجھ کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ جو میرے ساتھ ہے۔ میں ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل ہیں۔

اے نادانو اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلّت کے ساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں **اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مجھے وہ ہمّت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔** میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا۔ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا۔ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ۔ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند نہیں توڑ سکتی اور مجھے اس کی عزّت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔ اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں۔ اگرچہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا ہو۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے ؎

من نہ آنستم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

(انوار الاسلام ۔ روحانی خزائن جلد ۹ ص ۲۳)